تعمیرِ حیات
لکھنؤ
پندرہ روزہ ۱۵

۲۱ ذی قعدہ ۱۳۸۴ھ مطابق ۲۵ مارچ ۱۹۶۵ء

ایڈیٹر سید محمد الحسنی
معاون سعید الاعظمی ندوی

چندہ سالانہ
سات روپیے
فی پرچہ ۳۰ پیسے

شعبۂ
تعمیر و ترقی
دار العلوم ندوۃ العلماء
لکھنؤ

Phone No. 22048

Regd No L 1981

TAMEER-E-HAYAT

DARULULOOM NADWATULULAMA LUCKNOW (INDIA)

نورانی تیل
درد، زخم، چوٹ، ورم کی بہترین دوا
انڈین کیمیکل کمپنی، مئوناتھ بھنجن، یوپی

دار العلوم ندوۃ العلماء کا تیار کردہ نصاب

قصص النبیین للاطفال (۵ حصے)

از: مولانا ابو الحسن علی ندوی

اس کتاب میں ایک طرف زبان کی تعلیم کے جدید اصول اور ماہرین تعلیم و نفسیات کے تجربات کا اصطلح لحاظ رکھا گیا ہے کہ یہ کتاب عربی زبان کی تعلیم کا بہترین اور سہل ترین ذریعہ بن گئی ہے، دوسری طرف انبیاء علیہم السلام کے واقعات اور قصوں کو اس پیرایہ اسلوب میں پیش کیا گیا ہے کہ اسلام کے بنیادی اصول خود بخود طلباء کے ذہن نشین ہوتے چلے جاتے ہیں، اس سلسلہ کو ممالک عربیہ میں بڑی قدر کی نگاہوں سے دیکھا گیا ہے!

قیمت حصہ اول ۷۵/، حصہ دوم ۷۵/، حصہ سوم ۷۵/۱

القراءۃ الراشدۃ (۳ حصے)

از: مولانا ابو الحسن علی ندوی

اس کتاب میں اسلامی تاریخ، نامور اسلامی شخصیتوں، ہندوستان کی اسلامی تاریخ اور اسکی نامور شخصیتوں کے متعلق اسباق، اسلام اور ہندوستان کی تاریخ کا خلاصہ، مشہور دینی درسگاہوں کا تعارف، معلوماتِ عامہ اور ضروری مضامین آگئے ہیں، اسکی کوشش کی گئی ہے کہ کوئی سبق دینی روح سے خالی نہ ہو اور وہ کسی اچھے تجربہ یا حقیقت کی طرف رہبری کرتا ہو، مدارس عربیہ کی بڑی تعداد نے اس کو داخل نصاب کیا ہے۔

قیمت حصہ اول ۱۲/ حصہ دوم ۱۲/ حصہ سوم ۱۲/

منثورات

از: مولانا محمد رابع ندوی

اس کتاب میں مصنف نے ان جاندار ٹکڑوں کا انتخاب کیا ہے جو زبان کے محاسن اور کلام کی بلاغت کیساتھ دینی و اخلاقی تربیت کا کام بھی دے سکتے ہیں اور اسلامی جذبات پیدا کرنے میں معاون ثابت ہو سکتے ہیں، سیرت نبوی، تاریخ اسلام اور مستند و صاحب طرز انشاء پردازوں کی نثر کے نمونے پیش کئے گئے ہیں جو عربی زبان و ادب کی بہترین نمائندگی کرتے ہیں نثر قدیم کے ساتھ نثر جدید اور نظم قدیم بھی شامل ہے، مدارس عربیہ کی بڑی تعداد نے داخل نصاب کیا ہے۔

قیمت ۳/

مختارات (۲ حصے)

از: مولانا ابو الحسن علی ندوی

یہ کتاب عربی کی متوسط اور اعلیٰ دونوں جماعتوں کے نصاب میں داخل کرنے کے لائق ہے اپنی خصوصیات کے لحاظ سے اس وقت تک ادب عربی کی کوئی کتاب اس کا بدل نہیں بلکہ یہ دوسری کتابوں کا نعم البدل ہے، مدارس عربیہ کی بڑی تعداد کے علاوہ لکھنؤ، علیگڑھ کلکتہ، پنجاب اور مدراس یونیورسٹیوں اور بہت سے کالجوں میں داخل نصاب ہے، شام کے کالجوں میں بھی داخل نصاب ہے۔

قیمت حصہ اول ۱۰/ حصہ دوم ۱۰/

ESTD. 1903

قدرتی تیل
جوڑوں کے درد، زخم، چوٹ، موچ، گٹھیا، جلنے میں مفید ہے
کارخانہ دار الصحت مئوناتھ بھنجن یوپی

Cover Printed at Nadwatul Ulama Press LUCKNOW

پندرہ روزہ

تعمیر حیات لکھنؤ

جلد ۲

نمبر ۱۰

سالانہ
۷/ روپے
فی پرچہ
۳۰ پیسے

شعبۂ تعمیر و ترقی دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

۲۵ مارچ ۱۹۶۵ء مطابق ذیقعدہ ۲۱ ۱۳۸۴ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ہاں ... نہیں !

محمد الحسنی

اسلام کی کہانی (خود اس کے اپنے گھر میں) بہت درد انگیز کہانی ہے ؎

کہ با من انچہ کرد آں آشنا کرد

یہ اس اسلام کی کہانی ہے جو مختلف قسم کی زنجیروں، بیڑیوں اور طوق و سلاسل میں جکڑا ہوا ہے۔ وہ اسلام جس کے راستے میں جگہ جگہ رکاوٹیں کھڑی کردی گئی ہیں، جس کی راہ میں کانٹے بچھائے گئے ہیں، جس پر نگرانی اور احتساب کا مہیب سایہ ہے، جس کے سر پر موت کی تلوار چمک رہی ہے، جس کی پیٹھ امام احمد بن حنبل کی سنت تازہ کرنے کے لئے کھول دی گئی ہے، اور جس کے لئے ہر سرزمین میں دل و دماغ کی کھڑکیاں اور ... ت کے روزن پوری طرح بند اور مقفل کردیئے گئے ہیں۔

وہ اسلام جس کو بزور شمشیر یا بزور تدبیر اسمبلی، پارلیمنٹ، عدالت، یونیورسٹی، دفاتر اور تمام تہذیبی و ثقافتی اداروں سے بے دخل کردیا گیا ہے اور اس کی اپیل سنے بغیر اس کا کیس عدالت سے خارج کردیا گیا ہے۔

وہ اسلام جس کے گھر والوں اور جس کے بھائیوں اور دوستوں نے محض اسی پر بس نہیں کیا کہ وہ میدان چھوڑ کر گھر کی چہار دیواری میں اپنی زندگی گزارے، انھوں نے بعض مرتبہ اسکو زبردستی گھر سے نکال دیا، اور کبھی سازش کرکے اس کو خود نکلنے پر مجبور کیا، چنانچہ اگر آپ ان میں سے کسی کے گھر میں داخل ہوں تو بعض وقت آپ کو یہ محسوس بھی نہ ہوگا کہ آپ کسی مسلمان کے گھر میں ہیں، وہاں آپ کو اسلامی احکام اور اسلامی آداب کی کوئی جھلک اور اس کی کچھ عزت و حرمت نظر نہ آئے گی۔

بعض لوگ ذرا زیادہ رحمدل اور وضعدار ثابت ہوئے، انھوں نے اپنے والدین کو اس کی بہت عزت کرتے ہوئے اور اس سے بہت محبت کا برتاؤ کرتے ہوئے دیکھا تھا، اس لئے انھوں نے اس کو گھر سے نکالنے کی جسارت تو نہیں کی۔ لیکن جس طرح کسی .... از کار رفتہ اور بوڑھے خاندانی ملازم کو گھر کے نچلے حصہ میں کسی کوٹھری میں جگہ دے دی جاتی ہے، اسی طرح انھوں نے اس کو بھی گھر کے ایک ناقابل استعمال اور متروک کمرہ میں جگہ دے دی۔ گھر کا بچا کھچا کھانا اس کو بھجوا دیا جاتا، رمضان آتا تو افطار اور سحری بھی بھجوا دی جاتی، عید میں سویوں سے تواضع کی جاتی اور مارکین کا ایک نیا جوڑا بھی بنوا دیا جاتا اور اس طرح گویا ناٹاں اور مشو کے کپڑوں کی زکوٰۃ ادا ہو جاتی، بقرعید میں ایک رومال میں رکھ کر تھوڑا سا گوشت بھی بھیج دیا جاتا، اور کھانے کے وقت ایک رکابی پلاؤ کبھی، یہ سب اس لئے ہوتا کہ آباء و اجداد سے اس کے بہت گہرے تعلقات تھے اور کسی زمانے میں اس نے بہت بڑے بڑے کام کئے تھے۔

وہ اسلام جس کو موجودہ زمانہ میں ہمیشہ "نہیں" سے واسطہ پڑا اور جس کے کان ایک "ہاں" سننے کے لئے ترس گئے۔ جس کو نہ صرف دشمنوں کی سرزمین میں "نہیں" کہا گیا، بلکہ خود اس کے وطن میں بھی اس کو بھی "نہیں" "NO" کی آواز سننی پڑی،

اس کو ترکی، مصر، انڈونیشیا اور پاکستان، ہر جگہ یہی کرہ آواز سنائی دی۔ حالانکہ یہ ممالک اپنی تعداد، سیاسی قوت، واقتدار اور قیادت کے اعتبار سے عالم اسلام کے ملکوں میں صف اول کے ملک ہیں اور ان میں سے کسی ایک ملک کا مخلصانہ "ہاں" ... نہ صرف عالم اسلامی بلکہ پورے عالم انسانی کی تقدیر بدلنے کے لئے کافی تھا۔

وہ اسلام جس کے ہونٹ ہلنے اور قدم اٹھنے سے پہلے یہ وارننگ دے دی گئی کہ خبردار ایک لفظ بھی زبان سے نہ نکلے، اور ایک انچ بھی قدم اپنی جگہ سے نہ ہٹے،

وہ اسلام جس کے دستور وقانون کی ایک دفعہ اور جس کی شریعت کا ایک جز یا کسر بھی نافذ نہیں کی گئی، جس کے کسی حکم پر عمل درآمد نہیں کیا گیا اور پھر پوری بے حیائی، بددیانتی اور خود فریبی کے ساتھ یہ اعلان بلکہ فیصلہ کر دیا گیا کہ اسلام اب زندگی کی رہنمائی سے قاصر ہے۔ معاشرہ اور سوسائٹی کو اس سے کوئی فائدہ نہیں پہونچ سکتا، اس میں کسی سیاسی واقتصادی مسئلہ کے حل کرنے کی صلاحیت نہیں اور وہ ایک ضائع شدہ (SPENT FORCE) ہے

وہ اسلام جس کو ذاتی مقصد ... اور سیاسی مقاصد کی تکمیل کے لئے، اور مسلمانوں کے دل ودماغ کو مسحور کرنے کے لئے خوب استعمال کیا گیا اور اس کی دل کھول کر تعریف کی گئی، یہاں تک کہ مسلمانوں کے دل کی دھڑکنیں اس کے ساتھ وابستہ ہو گئیں، انھوں نے دل وجان، پاکیزہ آنسو، اور گرم خون کے ساتھ اس راہ کی ہر قربانی خندہ پیشانی کے ساتھ گوارا کی، لیکن جب یہ خون رنگ لایا، اور یہ قربانیاں اور کوششیں بارآور ہوئیں اور ان ملکوں کی زمام اقتدار اچھی طرح ان لوگوں کے ہاتھ میں آگئی تو انھوں نے بہت بے پروائی اور شان بے نیازی کے ساتھ اپنے شانے جھٹکتے ہوئے اس غریب اسلام کو یہ جواب دیا کہ تم نے اپنا فرض پورا کر دیا اور اپنا پارٹ ادا کر چکے، اب تمہاری جگہ سرد خانوں (COLD STORAGE)، محافظ خانوں اور لائبریریوں میں ہے یا جیل کی کال کوٹھریوں اور آہنی سلاخوں میں! ہاں چونکہ کرسئ اقتدار اور تخت حکومت تک پہونچنے میں تم نے ہمارا بہت ساتھ دیا تھا، بلکہ زیادہ صحیح الفاظ میں ہم نے تم سے بہت فائدہ اٹھایا تھا۔ تمہاری جان بخشی کی جاتی ہے، تم مسجد کے کسی حجرے میں رہ سکتے ہو، اگر ہو تو شاہی مسجد لاہور یا مسجد سیدنا حسین قاہرہ میں تمہیں امام وخطیب کی جگہ بھی دی جا سکتی ہے۔ تم بہت بڑا اور نفیس عمامہ باندھ کر آنکھوں میں سرمہ لگا کر اونچا گاکر عربی اور اردو جس زبان میں چاہو خطبہ پڑھ سکتے ہو اور جوش تقریر میں اقبال کے اشعار بھی پڑھ سکتے ہو اور فلسطین کو آزاد کرنے کی دھمکی بھی دے سکتے ہو لیکن خبردار! اس سے آگے کچھ نہ سوچنا ورنہ ہمارا یہ "عارضی معاہدہ" بھی کالعدم سمجھا جائے گا اور ہم ہر قسم کی کارروائی کرنے کے لئے آزاد ہوں گے۔

وہ اسلام جس کو ریس کے میدان میں لایا گیا اور پھر یہ اعلان کر دیا گیا کہ آج اس کا امتحان ہے اور دیکھنا ہے کہ اس کا گھوڑا آگے نکلتا ہے یا ہمارا گھوڑا، پھر تماشائیوں کی آنکھوں میں دھول جھونک کر اس کو رسیوں سے اچھی طرح باندھ دیا گیا، اس کے پیروں میں بیڑیاں ڈال دی گئیں، غیر اسلامی نظریات اور جھوٹی تومیتوں کے خچر اور گدھے اس کے مقابلے میں پوری طرح آزاد چھوڑ دیئے گئے بلکہ ہنکایا اور دوڑایا بھی گیا اور پھر یہ کہا گیا کہ دیکھو اسلام کا گھوڑا تو ایک قدم بھی نہیں چل پاتا یہ مقابلہ کیا کرے گا۔ حالانکہ یہ اسلام کا وہی اصیل عربی گھوڑا ہے جو اگر ان گدھوں اور خچروں کی روانگی کے برسوں اور صدیوں بعد بھی آزاد چھوڑ دیا جاتا تو اپنے ٹاپوں سے مشرق ومغرب دونوں کو پامال کر کے رکھ دیتا اور ... والا بادلوں کے کسی ٹکڑے کو دیکھ کر دوبارہ یہ کہنے پر مجبور ہوتا۔ "جہاں تیرا جی چاہے جا کر برس جا" تیرا خراج اور آمدنی بہر حال میرے ہی پاس آئے گی[1]"

وہ اسلام جس کا چور کے ہاتھ کاٹنے کا قانون یہ کہہ کر نافذ نہیں کیا گیا کہ یہ درندگی ہے، سود کی حرمت کی یہ کہہ کر خلاف ورزی کی گئی کہ یہ ناممکن اور ناقابل عمل ہے اختلاط اور بے حجابی کی ممانعت پر یہ کہا گیا کہ یہ رجعت پسندی کی علامت ہے۔ زنا کی سزا پر کہا گیا کہ یہ عذاب ہے۔ کفار ومشرکین اور اللہ ورسول کے دشمنوں کی تقلید اور ان کی مشابہت اختیار کرنے کی ممانعت کو یہ کہا گیا کہ یہ تنگ نظری اور وحشت ہے۔ بے حیائی اور فسق وفجور اور نئی نئی معصیتوں کے اڈوں کو ختم کرنے پر یہ کہا گیا کہ یہ فطرت دشمنی ہے۔ دینی شعور، آخرت پر ایمان ضمیر کی نگرانی۔ نفس اور خواہشات کی مخالفت، خدا کے خوف اور اس کی حرام کردہ چیزوں سے اس طرح بھاگنا جس طرح کوئی تندرست انسان جذامی سے بھاگتا ہے اور اس کی رضامندی اور خوشنودی کی ایسی طلب اور پیاس، جس طرح صحرا کے کسی پیاسے کو میٹھے پانی کی پیاس ہوتی ہے اور اس کے احکام کو تمام مصالح اور ضروریات اور خواہشات ومطالبات پر مقدم رکھنے کے متعلق یہ کہا گیا کہ یہ بزرگوں کے قصے کہانیاں اور صالحین کی حکایات ہیں جس کی راکٹ اور سیاروں کے عہد میں کوئی گنجائش نہیں اور اس "ترقی یافتہ زمانہ" اور "مہذب سوسائٹی" میں کوئی ان باتوں کو سننا بھی پسند نہ کرے گا، وہ اسلام جس کا قانون تو کوئی نافذ نہیں کیا گیا اور جس کی بات تو کوئی نہیں مانی گئی۔

لیکن یہ بلاتکلف کہہ دیا گیا کہ اس کا قانون نہ زندگی کا ساتھ دے سکتا ہے اور نہ کسی معاشرتی، اجتماعی اور سیاسی واقتصادی مسئلہ کو حل کر سکتا ہے۔

وہ اسلام (عالم اسلام کے ارباب واقتدار مجھے معاف کریں) جو مسجدوں سے، مذہبی اوقاف اور مذہبی اداروں سے، مذہبی کتابوں اور مذہبی رسالوں سے بھی خارج کر دیا گیا ہے اور وہ اس طرح کہ اس کے ذمہ داروں کی ہر ہر قدم پر نگرانی ہوتی ہے، اس کے ہر شعبہ پر کڑی نظر رکھی جاتی ہے بلکہ ان جگہوں پر پالیسی کے طور پر ایسے آدمیوں کا تقرر کیا جاتا ہے جو قیادت کے مزاج شناس بلکہ ادا شناس ہوں اور خدا اور رسول کے احکام وہدایات سے زیادہ سرکاری احکام وہدایات پر عمل کرتے ہوں، اگرچہ وہ اس میں ایک حد تک اور بعض حالات میں ... اسلام ہی کی طرح مجبور ومقہور ہیں

وہ اسلام جس کے حق پرست حق گو اور سچے نمائندے تختۂ دار پر چڑھا دیئے گئے، ان کا لہو پانی کی طرح بہایا گیا ان کو جیل کی آہنی سلاخوں اور تنگ وتاریک کوٹھریوں میں جانوروں کی طرح بھر دیا گیا، سرد موسم کی تاریک راتوں میں ان کی ننگی پیٹھ پر کوڑے برسائے گئے، ان کے پیچھے خونخوار شکاری کتے چھوڑے گئے، ان کو برف کی دبی ہوئی سلوں پر رات گزارنے کے لئے مجبور کیا گیا اور ایسی انسانیت سوز تکلیفیں دی گئیں جن کے ذکر سے رونگٹے کھڑے ہونے لگتے ہیں۔

ان کی املاک ضبط کر لی گئیں ان کے مراکز بند کر دیئے گئے، ان کے اخبارات پر پابندی لگا دی گئی سوائے ان لوگوں کے جو معرکۂ زندگی سے کنارہ کش ہو گئے اور میدان ان ظالم بے ضمیر، بے درد پیشہ ور اور غرض پرست لوگوں کے لئے خالی کر دیا جو خدا کی زمین میں فساد پھیلانا چاہتے ہیں۔

وہ اسلام (مجھے اس صراحت کے لئے معاف کیا جائے) جس کو انقلاب مصر، انقلاب عراق، انقلاب شام ہر جگہ صرف ایک جواب ملا "نہیں" پاکستان میں بھی اس کو یہی جواب ملا۔ اور انڈونیشیا اور ترکی میں بھی!

(باقی)

[1] ہارون رشید نے اپنی سلطنت کے عروج اور وسعت کے زمانہ میں بادل کے ایک ٹکڑے کو دیکھ کر جو تیزی سے ساتھ اڑا جا رہا تھا یہ تاریخی اور ادبی جملہ کہا تھا۔

اپنے گھر سے بیت اللہ تک

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

اس سے پہلے اس مضمون کی دو قسطیں شائع ہو چکی ہیں، مضمون طویل ہے اور اصل مقصد یہ ہے کہ حج میں جانے والے حضرات اس سے فائدہ اٹھائیں، اور ان کے اندر وہ محبت وسوز پیدا ہو جو حج کی جان ہے اس لئے اس کا خلاصہ یہاں شائع کیا جا رہا ہے۔ اب یہ اس سلسلہ کی آخری قسط ہے (ادارہ)

گنبد خضرا پر ایک نظر ڈالئے پھر مدینہ کے اس شہر خموشاں کو دیکھئے، صدق واخلاص، استقامت ووفا کی اس سے زیادہ روشن مثال کیا ملے گی۔ آیئے بقیع میں اسلام کی خدمت کا عہد کریں اور اللہ سے دعا کریں کہ وہ ہمیں اسلام ہی کے راستہ پر زندہ رکھے اور اسی کے ساتھ وفاداری میں موت آئے۔ جنت البقیع کا یہی پیغام اور یہاں کا یہی سبق ہے

مدینہ طیبہ کی زندگی کا ایک شعبہ اور ہے اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمسایوں کی خدمت ہے اصل خدمت تو یہ تھی کہ ان کی تعلیم کا انتظام کیا جاتا، ان کو فارغ البال بنانے کی تدبیریں کی جاتیں، لیکن اس تھوڑے سے وقت میں یہ بھی بڑی سعادت ہے کہ جن لوگوں کو زمانہ کے انقلاب اور زندگی کی گرانی نے معلوک الحال بنا دیا ہے اپنا شرف سمجھ کر ان کی خدمت کی جائے، لیکن اس طرح کہ اصل محسن ان کو سمجھا جائے کہ وہ ہم کو اس سعادت کا موقع دیتے ہیں، یہ انصار ومہاجرین کی اولاد ہیں، آستانۂ نبوی پر پڑے ہوئے ہیں، کوشش کی جائے کہ واقفین حال اور قدیم باشندوں کے ذریعے ان لوگوں تک پہونچا جائے جن کی صفت قرآن مجید میں بیان کی گئی ہے۔

الذین احصروا فی سبیل اللہ لا یستطیعون ضربا فی الارض یحسبھم الجاھل اغنیاء من التعفف تعرفھم بسیماھم لا یسئلون الناس الحافا ؕ

قبا میں بھی حاضری دیجئے، یہ وہ بقعۂ نور ہے جو حضور اکرم صلعم کے قدوم سے مدینہ سے بھی پہلے مشرف ہوا، وہاں مسجد کی بنیاد رکھی گئی جس کو لمسجد اسس علی التقوی من اول یوم کا خطاب ملا، محبت وعظمت کے ساتھ حاضر ہوئیے۔ اس زمین پر نماز پڑھئے، پیشانی اس خاک پر رکھئے۔ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور رجال یحبون ان یتطھروا کے قدموں سے پامال ہوئی ہے، اس فضا میں سانس لیجئے، جس میں وہ انفاس قدسی اب بھی بسے ہوئے ہیں ؎

بر زمینے کہ نشان کف پائے تو بود

سالہا سجدۂ ارباب نظر خواہد بود

آج جبل احد اور اس کے شہیدوں (جن کو یہاں عرف عام میں "سیدنا حمزہ" کہتے ہیں) حاضری کی باری ہے، دو تین میل کی مسافت کیا، بات کرتے کرتے پہونچ گئے۔ یہ وہ زمین ہے جو اسلام کے سب سے قیمتی خون سے سیراب ہوئی سب سے سچے سب سے اچھے، سب سے اونچے عشق ومحبت اور وفا کے واقعات جو دنیا کی پوری تاریخ میں نہیں ملتے اسی سرزمین پر پیش آئے۔ سید الشہداء حمزہؓ کے رسول اللہ کی محبت اور اسلام کی وفاداری میں یہیں اعضاء کاٹے گئے اور جگر کھایا گیا۔ عمارۃ بن زیاد نے قدموں پر آنکھیں مل مل کر یہیں جان دی۔ انس بن النضر کو جنت کی خوشبو اسی پہاڑ کے درے سے آئی اور اسی سے اور زخم کھا کر یہیں سے رخصت ہوئے۔ دندان مبارک یہیں شہید ہوئے، سر پر زخم یہیں آئے۔ عشاق نے اپنے ہاتھوں اور پیٹھ کو محبوب کے لئے سپر یہیں بنایا، مکہ کا نازپروردہ مصعب بن عمیرؓ یہیں ایک کمبل میں شہید اور ایک کمبل میں دفن ہوا، یہاں اسلام کے شیر سوتے ہیں۔ یہ پوری زمین شمع نبوت کے پروانوں کی خاک ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عشاق اور اسلام کے جاں نثاروں کی بستی ہے ؎

یہ بلبلوں کا صبا مشہد مقدس ہے!

قدم سنبھال کے رکھیو یہ تیرا باغ نہیں

یہاں کی فضا اور یہاں کے پہاڑ سے اب بھی صوتوا علی ما مات علیہ رسول اللہ (اسی پر جان دے دو جس پر رسول اللہ دنیا سے گئے) کی صدائے بازگشت آتی ہے آیئے اسلام پر جینے اور جان دے دینے کا عہد پھر تازہ کریں۔

مدینہ طیبہ کے ذرہ ذرہ کو محبت وعقیدت کی نگاہ سے دیکھئے تنقید کی نگاہ اور اعتراض کی زبان کے لئے دنیا پڑی ہوئی ہے زندگی کے چند دن کانٹوں سے الگ پھولوں میں گزر جائیں تو کیا ہرج ہے۔ پھر بھی اگر آپ کی نگاہ کہیں رکتی اور اٹکتی ہے تو غور سے کام لیجئے۔ وہ ہماری کوتاہی کے سوا اور کیا ہے ہم نے دین اور دنیا کی خیرات یہیں سے پائی، آدمیت یہیں سے سیکھی، یہاں کی دستگیری نہ ہوتی تو ہم میں سے کتنے معاذ اللہ بت خانہ، آتش کدہ اور کلیسا میں ہوتے، لیکن ہم نے اس کا کیا حق ادا کیا۔ یہاں کے بچوں کی تعلیم وتربیت، یہاں کے لوگوں میں دین کی روح اور مقصد کا احساس پیدا کرنے کی کیا کوشش کی، اس کا عذر صحیح نہیں، ان کے بزرگوں نے سمندر اور صحرا عبور کئے اور پہاڑوں کو طے کر کے دین کا پیغام ہم تک پہونچایا، ہم نے کبھی اپنے فرض کا احساس کیا؟ کیا ہم سمجھتے ہیں کہ دین کے احسان کا بدلہ ہم چند سکوں سے ادا کر دیں گے جو ہمارے حجاج اپنی کم نگاہی سے احسان سمجھ کر مدینہ کی گلیوں میں بانٹتے پھرتے ہیں۔

ہم صدیوں غافل رہے اور اب بھی ہمارے اہل استطاعت غافل ہیں، اس عرصہ میں جہالت، بے ترتیبی اور یورپ کی تہذیب وتمدن اور اس کی جاہلیت، جس کا جال ساری دنیا میں پھیلا ہوا ہے۔ یہاں بھی اپنا کام کرتی رہی ہے، ان کے نوجوانوں کو متاثر کرتی رہی، بجائے خوبیوں اور محاسن کے تمام عالم اسلام کے حجاج وزائرین اپنی اپنی مقامی کمزوریاں اپنے ساتھ لاتے رہے اور یہاں چھوڑ کر جاتے رہے، دینی دعوت وتذکیر جو ایمانی زندگی کے لئے ہوا اور پانی کی حیثیت رکھتی ہے۔ عرصہ سے مفقود، صحیح تعلیم وتربیت معدوم، ایسا ادب جو ایمان کو غذا اور دماغ کو روشنی عطا کرے، نایاب، تزکیۂ نفس، تہذیب اخلاق اور روحانیت پیدا کرنے والے مرکز غیر موجود مختلف راستوں سے مریض وبدذوق ادب فاسد وخام افکار ومضامین، اخبار ورسائل، ادب واجتماع کے نام سے گھر گھر پھیلے ہوئے، زہر موجود، تریاق مفقود، اگر اب بھی اہل مدینہ میں دین کی اتنی عظمت ومحبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق، مدینے انس، اخلاق میں سنت وتواضع، فرائض کی پابندی

شعائر اسلامی کا رواج ہے تو یہ محض جوار رسول کی برکت، اس خاک پاک کی تاثیر اور اہل مدینہ کی فطری خوبی کی دلیل ہے۔

اب بھی اغنیاء امت اور عالم اسلام کے اہل ثروت اس ضرورت کی طرف متوجہ نہیں کہ اہل حجاز کی صحیح تعلیم و تربیت اور ان میں دعوت و تذکیر کا انتظام کریں جو ان میں دینی روح، مقصدیت، بلند نظری اور اسلام کے داعی بننے کا جذبہ اور ولولہ پیدا کردے اور "معمار حرم" کو "تعمیر جہاں" کے لئے دوبارہ آمادہ کرے۔ انما اشکو بثی و حزنی الی اللہ

اگر آپ مدینہ طیبہ کے مضافات اور بدوؤں کی ان عارضی نوآبادیوں میں چل پھر کر دیکھیں گے جو کھجوروں کی فصل میں پہاڑی مقامات سے اتر کر چشموں اور باغات میں اپنے خیمے ڈال کر مقیم ہوجاتے ہیں، تو آپ کو ان کی دینی حالت کا احساس ہوگا، اور اگر ہمارا ضمیر بھی مردہ نہیں ہوا ہے تو ہم اپنی اس غفلت و کوتاہی پر شرم محسوس کریں گے جو ہم نے اپنے "مرشد زادوں" کے حق میں صدیوں سے اختیار کر رکھی ہے۔ اگر آپ کا تھوڑا وقت نظم و انضباط کے ساتھ مدینہ کی آبادی اور اس کے اطراف میں دینی دعوت و اصلاح میں گذر جائے گا تو مدینہ طیبہ کی فضا سے انتفاع کی بڑی موثر صورت ہوگی، مگر ان کی عظمت اور ان کے مرتبہ کی رعایت ضروری ہے ان کو تحقیر کی نگاہ سے ہرگز نہ دیکھیں

مدینہ دعوت اسلامی کا معدن ہے اس دعوت کو اس معدن سے اخذ کیجئے اور اپنے اپنے ملک کے لئے یہ سوغات لے کر آیئے، کھجوریں، گلاب و پودینہ، خاک شفا، محبت کی نگاہ میں سب کچھ ہیں، مگر اس سرزمین کا اصلی تحفہ اور یہاں کی سب سے بڑی سوغات دعوت اور اسلام کے لئے جد و جہد اور جان دے دینے کا عزم ہے، مدینہ، مسجد نبوی کے چپہ چپہ، بقیع شریف کے ذرہ ذرہ، احد کی ہر ہر کنکری سے یہی پیغام دیتا ہے، مدینہ آکر کوئی یہ کیسے بھول سکتا ہے کہ اس شہر کی بنیاد ہی دعوت و جہاد پر پڑی تھی۔ یہاں وہی لوگ مکہ سے آکر آباد ہوئے تھے جن کے لئے مکہ میں سب کچھ تھا، مگر دعوت و جہاد کے مواقع نہ تھے، یہاں کی آبادی دو ہی حصوں پر منقسم تھی، ایک وہ جس نے اپنا عہد پورا کردیا اور اسلام کے راستے میں جان جان آفریں کے سپرد کردی۔ کوئی خوف کوئی ترغیب اس کو اپنے مقصد سے باز نہ رکھ سکی دوسرا وہ جس نے اپنی طرف سے پوری کوشش کی لیکن اللہ کو ابھی ان سے اور کام لینا منظور تھا، ان کا جو وقت گذرتا حالت انتظار میں گزرتا، شہادت کے اشتیاق میں گزرتا، من المؤمنین رجال صدقوا ما عاھدوا اللہ علیہ فمنھم من قضی نحبہ ومنھم من ینتظر وما بدلوا تبدیلا۔ یہی عالم اسلام کا حال ہونا چاہئے۔ یہاں بھی یا تو وہ ہونے چاہئیں جو اپنا کام پورا کر چکے، یا وہ جو وقت کے منتظر ہیں۔ تیسری قسم ان لوگوں کی ہے جو زندگی کے حریص اور دنیا پر راضی، موت سے خائف اور خدمت سے گریزاں ہوں معاش میں سرتاپا منہمک اور عارضی مشاغل میں ہمہ تن غرق ہوں۔ ان کی گنجائش نہ مدینہ میں تھی نہ عالم اسلام میں ہونی چاہئے۔

مدینہ طیبہ کے قیام میں درود شریف، تلاوت قرآن اور اذکار سے جو وقت بچے اگر حدیث اور سیرت و شمائل کے مطالعہ میں گذرے تو بہت پر تاثیر اور بابرکت ہوگا اسی پاک زمین پر یہ سب واقعات پیش آئے، یہاں ان واقعات کا مطالعہ اور کتب شمائل میں مشغولیت بہت کیف آور اور موجب ترقی ہوگی، اردو خواں حضرات قاضی سلیمان صاحب منصورپوریؒ کی "رحمۃ للعالمین" اور شیخ الحدیث سہارنپوری کی "خصائل نبوی" (ترجمہ شمائل ترمذی) کو حرز جان بنائیں۔ اہل عربیت حافظ ابن قیم کی "زاد المعاد" اور "شمائل ترمذی" سے اشتغال رکھیں، جن کو آثار مدینہ منورہ کی زیارت و تحقیق کا ذوق ہو ان کے لئے سمہودیؒ کی وفاء الوفا باخبار دار المصطفیٰ" اور "آثار مدینۃ المنورہ" کا مطالعہ مفید ہوگا۔

لیجئے قیام کی مدت ختم ہونے کو آئی، کل کہتے ہیں کہ قافلہ کا کوچ ہے ؎

حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد
روئے گل سیر ندیدم و بہار آخر شد

اب رہ رہ کر اس قیام کے سلسلہ کی کوتاہیاں اور یہاں کے حقوق کی ادائی میں اپنی تقصیر دل میں چٹکیاں لیتی ہے، اب استغفار و ندامت کے سوا کیا چارہ ہے۔ آج کی رات مدینہ کی آخری رات ہے ذرا سویرے مسجد میں آجایئے ؎

تمتع من شمیم عرار نجد
فما بعد العشیۃ من عرار

لیکن دل کو ایک طرح کا سکون بھی حاصل ہے، آخر جا کہاں رہے ہیں؟ اللہ کے رسول کے شہر سے اللہ کے شہر کی طرف، اللہ کے اس گھر سے جس کو محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ان کے ساتھیوں نے اپنے پاک ہاتھوں سے بنایا اللہ کے اس گھر کی طرف جسکو ان کے جد امجد ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ان کے فرزند نے اپنے پاک ہاتھوں سے بنایا اور جا کیوں رہے ہیں؟ اللہ کے حکم سے اور اللہ کے رسول کی مرضی اور ہدایت سے یہ دوری دوری کب ہوئی ؎

نہ دوری دلیل صبوری بود
کہ بسیار دوری ضروری بود

آخری سلام عرض کیا، مسجد نبوی پر حسرت کی نگاہ ڈالی اور باہر نکلے غسل کرکے احرام کی تیاری کرلی، ذوالحلیفہ میں جانے کا موقع ملے نہ ملے، موٹر پر بیٹھے، محبوب شہر پر محبت کی نگاہ ڈالتے چلے، احد کو ڈبڈبائی آنکھوں سے دیکھا، اب مدینہ سے باہر ہوگئے، جو لمحہ گزرتا ہے، مدینہ دور اور مکہ قریب ہوجاتا ہے۔ الحمد للہ کہ ہم حرمین کے درمیان ہی ہیں۔ ؎

صد شکر کہ ہستیم میان دو کریم

جدہ آیا اور گذر گیا، اب شہنشاہ ذوالجلال کا شہر اور اس کا گھر قریب ہے، باادب و ہوشیار! مدینہ اگر مرکز جمال تھا تو یہ مرکز جلال ہے، مدینہ کے در و دیوار سے اگر محبوبیت ٹپکتی ہے تو یہاں کے در و دیوار سے عاشقی نمایاں ہے یہاں عاشقانہ آنے کی ضرورت ہے، برہنہ سر، کفن بردوش، پریشاں بال، یہی یہاں کے آداب میں سے ہے۔

نظر اٹھایئے کہ سامنے آرہا ہے:

اللھم اجعل لی بھا قرارا وارزقنی فیھا رزقا حلالا	اے اللہ مجھے اپنے شہر میں ٹھکانا عطا فرما اور مجھے اس میں رزق حلال نصیب فرما۔

لیجئے اب ہم اللہ کے شہر بلد اللہ الحرام البلد الامین میں داخل ہوگئے جس شہر کا نام تسبیح کی طرح بچپن سے ہر مسلمان کی زبان پر جاری رہتا ہے جس کا اشتیاق جنت کی طرح ہر مومن کے دل میں رہتا ہے، جو ہر مسلمان کا ایمانی اور دینی وطن ہے جس کی کشش ہر زمانے میں ہزاروں میل کی مسافت، پہاڑوں کی چوٹیوں اور وادیوں کی گہرائیوں سے مشتاقان زیارت کو کھینچتی رہی، لیجئے مسجد حرام پر پہونچ گئے، باب السلام سے داخل ہوئے، یہ سیاہ غلاف میں ملبوس مسجد حرام کے بیچوں بیچ بیت اللہ نظر آرہا ہے۔

اللھم زد ھذا البیت تشریفا و تعظیما و تکریما ومھابۃ وزد من شرفہ وکرمہ ممن حجہ او اعتمرہ تشریفا و تکریما و تعظیما وبرا اللھم انت السلام ومنک السلام فحینا ربنا بالسلام	اے اللہ اس گھر کی عزت و عظمت و شرافت و ہیبت میں ترقی فرما اور حج و عمرہ کرنیوالوں میں بھی جو اسکی تعظیم و تکریم کرے اسکو بھی شرافت و عظمت اور نیکی عطا فرما، اے اللہ تیرا ہی نام سلام ہے اور سلامتی تیری ہی طرف سے ہے ہم پر سلامتی بھیج۔

یہی بیت اللہ ہے جس کی طرف ہزاروں میل کے فاصلہ سے ساری عمر نمازیں پڑھتے رہے جس کی طرف نماز میں منہ کرنا فرض تھا، آج ہماری نگاہوں کے سامنے ہے۔ ہمارے اور اس کے درمیان چند گز سے زیادہ فاصلہ نہیں، ہم اپنے

گنہگار ہاتھوں سے اس کے غلاف کو چھو سکتے ہیں اس کو آنکھوں سے لگا سکتے ہیں، اس کی دیواروں سے چمٹ سکتے ہیں، عمر میں بڑی بڑی حسین و جمیل عمارتیں اور فن تعمیر کے بڑے بڑے نمونے دیکھے، لیکن اس سادے سے چوکور گھر میں خدا جانے کیا حسن و جمال اور کیا دلکشی و محبوبیت ہے کہ آنکھوں میں کھپا جاتا ہے، اور دل میں سمایا جاتا ہے، کسی طرح نظر ہی نہیں بھرتی، تجلیات الٰہی اور انوار کا ادراک تو اہل نظر کر سکتے ہیں، لیکن جلال و جمال کا ایک پیکر ہم جیسے بے حسوں اور کم نظروں کو بھی نظر آتا ہے، اور یہ صاف محسوس ہوتا ہے کہ اس کو دیکھنے سے آنکھوں کو سیری اور دل کو آسودگی نہیں ہوتی، جی چاہتا ہے کہ دیکھتے ہی رہئے، اسکی مرکزیت و محبوبیت و موزونیت اسکی زیبائی و رعنائی، جلال و جمال کی آمیزش الفاظ سے بالاتر ہے ؎

محاسنہ ھیولی کل حسن
ومغناطیس افئدۃ الرجال

اس کا دیکھتے رہنا دل کا سرور، آنکھوں کا نور، روح کی غذا، اور نظر کی عبادت ہے، دل کی کلفت اس سے کافور، دماغ کا تکان اس سے دور ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ نے عجیب نعمت عطا فرمائی ہے سارے عالم کی دلکشی اور دل آویزی اس میں سمٹ کر آگئی ہے،

ذی الحجہ کا مہینہ شروع ہوچکا ہے، حجاج کا ہجوم ہے، بیت اللہ کے گرد طواف کرنے والوں کا چکر چل رہا ہے، سیاہ غلاف کے چاروں طرف سفید احرام میں ملبوس انسانوں کی گردش، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سیاہ کعبہ کے گرد دودھ کی ایک نہر بہہ رہی ہے، ہم بھی آدمیوں کے اس بہتے ہوئے دریا میں داخل ہوئے، ہمارے معلم ہمارے ساتھ تھے انھوں نے ہمیں طواف کرایا، وہ طواف کی دعائیں پڑھتے جاتے تھے، ہم اس کو دہراتے تھے، پھر ہم کو محسوس ہوا کہ اس طرح نہ تو طواف کا لطف آرہا ہے نہ دعاؤں کا اس لئے جو مسنون دعائیں یاد تھیں ہم نے وہ پڑھنی شروع کردیں چونکہ ہم کو اس طواف کے بعد سعی بھی کرنی تھی اس لئے ہم نے رمل و اضطباع بھی کیا ہجوم کی وجہ سے استلام (حجر اسود کو بوسہ دینے) کی نوبت نہیں آتی تھی، حجر اسود کے سامنے پہونچ کر ہاتھ کا اشارہ کردیتے تھے، طواف کے بعد ہم مقام ابراہیم پر آئے اور دو رکعت واجب الطواف پڑھی، پھر ملتزم پر آئے یہ حجر اسود اور باب کعبہ کے درمیان کا حصہ ہے، یہاں اللہ کے بندے بیت اللہ کی دیوار اور اس کے غلاف کو چمٹے ہوئے اس طرح بلک بلک کر رو رہے تھے اور اللہ کے گھر کا واسطہ دے کر اس کی چوکھٹ سے لپٹ کر اللہ سے مانگ رہے تھے، جس طرح ستائے ہوئے بچے اپنی ماں سے چمٹ کر روتے اور بلبلاتے ہیں جس وقت وہ یا رب البیت یا رب البیت اے گھر والے، اے گھر کے مالک کہتے تو ایک کہرام مچ جاتا، سخت سے سخت دل بھی بھر آتا، آنکھیں اشکبار ہوجاتیں اور دعاؤں کی قبولیت کا ایک اطمینان سا ہونے لگتا، خدا کی طرف رجوع و انابت کا یہ ایک ایسا منظر تھا کہ دنیا کی کوئی قوم اسکی نظیر نہیں پیش کرسکتی، اس سے صاف معلوم ہوتا تھا کہ اس امت کو اس گذری حالت میں بھی اپنے مالک سے جو تعلق ہے اس کا عشر عشیر بھی کہیں نظر نہیں آتا، معلوم ہوتا تھا کہ دل سینہ سے نکل جائیں گے، قلب و جگر آنسو بن کر بہہ جائیں گے، لوگ غش کھا کر گر جائیں گے ان دعاؤں میں سب سے بڑا حصہ مغفرت و عفو، رضائے الٰہی حسن خاتمہ اور جنت کی دعاؤں کا تھا، اللہ سے کسی مادی سے مادی چیز کا مانگنا بھی مادیت نہیں، سراسر روحانیت و عبادت ہے، لیکن ان دعاؤں میں آخرت اور روحانیت کا حصہ اس عالم مادی کی چیزوں سے بہرحال زیادہ تھا، انکار و پریشانیاں تھیں کہ اس دور میں اللہ کے بہت سے بندے صرف اللہ کی محبت، عشق کامل، اتباع سنت، دین کی خدمت اور اسلام پر جینے اور مرنے کی دعا کر رہے تھے، بہت سے اللہ کے بندے اپنی دنیاوی ضروریات کو بے تکلف مانگ رہے تھے کہ وہ کریم ہے، اس کے دروازے اور اس کے آستانہ پر نہ مانگی جائے تو کس سے اور کہاں مانگی جائیں گی، بہت سے اللہ کے بندے کعبہ کے پردے میں منہ ڈالے ہوئے گریہ و بکا اور مناجات و دعا میں مشغول تھے غرض یہاں سائلوں کا ہجوم اور فقرا کا جمگھٹا تھا رب کریم کا دروازہ کھلا تھا اور بے صبر و مضطر سائل سوال و طلب میں بالکل کھوئے ہوئے تھے۔

ملتزم سے ہم زمزم پر آئے پہلی مرتبہ آسودہ ہوکر زمزم پیا اس کے اصل مقام پر پیا پھر باب الصفا کو نکل کر ہم سعی کے لئے مسعیٰ آئے ہمیشہ سے یہ تصور تھا کہ صفا اور مروہ دو پہاڑ ہیں ان کے درمیان ایک غیر آباد سا راستہ ہوگا طول طویل، اس پر لوگ دوڑتے ہوں گے یہاں پہاڑ ہی نظر آیا پہاڑ کھود کر اس سے بڑی بڑی عمارتیں بن گئی تھیں بجز سڑک کے کنارے ایک ذرا سی بلندی تھی جس پر چڑھنے کا ایک زینہ تھا اس پر چڑھ کر سعی کی نیت کی اور کہا ابدأ بما بدأ اللہ بہ ان الصفا والمروۃ من شعائر اللہ (جس چیز کو اللہ نے مقدم رکھا ہے اس کو میں بھی مقدم رکھتا ہوں) ان الصفا والمروۃ من شعائر اللہ (بیشک صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہے) بیت اللہ کی طرف منہ کرکے ہاتھ اٹھا کر حمد و ثنا تکبیر و تہلیل کی دعا کی پھر اترے اور مروہ کی طرف چلے میل کے سبز نشانوں کے درمیان) جہاں حضرت ہاجرہ اسمٰعیل کے اوجھل ہوجانے کی وجہ سے بیقرار ہوکر دوڑی تھیں ذرا دوڑ کر چلے پھر معمولی چال سے چلنے لگے، ادھر مروہ کی طرف جانیوالوں اور مروہ سے صفا کی طرف آنے والوں کے قافلے قطار اندر قطار ملتے رہے کبھی جاوی پاس سے گزر جاتے کبھی مصری چھیلتے ہوئے نکل جاتے کبھی مراکشی رجز پڑھتے سامنے سے آتے نظر آتے، کبھی ترکی و بخاری راستہ میں ساتھ ہوجاتے، کبھی تکرونی دس و دس قدم بڑھ کے آگے ہوجاتے ہر ایک احرام میں ملبوس، ننگے سر ننگے پاؤں، عاشقانہ حال، مستانہ چال، دنیا سے بے خبر، اپنی دھن میں مست "رب اغفر وارحم انک انت الاعز الاکرم" کی صداؤں سے فضا گونجتی ہوئی، دونوں طرف بھری دکانیں، مسعیٰ کا بازار پورے اپنے شباب پر اور بہار پر، موٹریں اور کاریں ہارن بجاتی ہوئی نکلتی رہتی ہیں دکانوں پر سودے بک رہے ہیں، شربت کے گلاس کے دور چل رہے ہیں صرافوں کی دکانوں پر روپیہ گنے اور سکوں کے گرنے کی آواز کانوں میں آرہی ہے، لیکن عشاق سر جھکائے نظر بچائے اپنی دھن میں چلا جارہا ہے، عشق کی پوری تصویر، دنیا میں مومن کے رہنے کی مکمل تفسیر، خلوت در انجمن کا پورا منظر، دنیا کے بازار میں چلتی پھرتی مسجدیں اور گونجتی ہوئی اذانیں، سعی گویا کہ مومن کی پوری زندگی، بھرے بازار کھلونوں سے بھرے گلزار میں رہنا اور دل نہ لگانا، مقصد کو پیش نظر رکھنا، مبدا و منتہی کو نہ بھولنا، اپنے کام سے کام رکھنا، صفا سے چل کر نہ مروہ کو فراموش کرنا نہ مروہ سے چل کر صفا کو بھول جانا، کہیں نہ اٹکنا، کہیں نہ الجھنا، پیہم گردش، مسلسل عمل، سعی میں دونوں طرف دکانوں کے ہونے اور سعی کے اس محل وقوع نے سعی میں ایک خاص معنویت اور لطف پیدا کردیا ہے۔

آپ کو اس راستہ پر عالم اسلام کے گوشہ گوشہ اور چپہ چپہ کا مسلمان ایک لباس میں ملبوس، ایک ترانہ بلند کرتے ہوئے، ایک عشق و سرمستی کی کیفیت میں آتے جاتے نظر آئیں گے، تیز قدم بڑھاتے ہوئے، سر اللہ کے سامنے جھکائے ہوئے چلے جارہے ہیں، ان میں امیر بھی ہیں غریب بھی، سرخ و سفید شامی و مصری بھی اور سیاہ فام حبشی و تکرونی بھی، مرد بھی عورت بھی، لیکن کسی کو کسی کے دیکھنے کی فرصت نہیں، بعض اوقات اس مجمع عشاق کو دیکھ کر قلب پر عجب کیفیت طاری ہوتی ہے اور بے اختیار ان عشاق کے پاؤں پڑنے اور ان کی بلائیں لینے کو جی چاہتا ہے، اسلام کی محبت جوش مارتی ہے، وطن و قوم کی حد بندیاں ٹوٹتی نظر آتی ہیں اور دینی وحدت کا احساس ابھرنے لگتا ہے۔

ایک زائر حرم کے نام

محمد ثانی حسنی

میرے عزیز بھائی تم کو سلام پہنچے
بعد از سلام میرا تم کو پیام پہنچے

تم کو بہت مبارک ہو کعبہ کی زیارت
قابل ہے رشک کے جو تم کو ملی سعادت

جتنا بھی فخر تم کو محسوس ہو وہ کم ہے
بس میں نہیں کسی کے اللہ کا کرم ہے

اس وقت تم جہاں ہو وہ ہے مقام رحمت
مینھ کی طرح برستی ہے صبح و شام رحمت

مجھ کو بھی ساتھ رکھنا شام و سحر دعا میں
کعبہ کے پاک در پہ عرفات میں، منا میں

کوہ صفا پہ چڑھ کر کعبہ ہو جب کہ رخ پر
مروہ کی سیڑھیوں پہ مسعیٰ میں رہ گزر پر

منبر کے سائے میں بھی اندر حطیم کے بھی
رکن یمانی چھو کر در پہ کریم کے بھی

دیوار سے لگا کر سینے کو ملتزم پر
چل کر مطاف میں پھر رک کر ہر اک قدم پر

پردہ سے تم لپٹ کر آنسو بہا کے کہنا
کعبہ کے پاک در پر سر کو جھکا کے کہنا

بیت عتیق کے رب اپنے کرم کا صدقہ
اور رحمت و محبت بے کیف و کم کا صدقہ

تونے مجھے بلایا تیرا بہت کرم ہے !
اک اور مضطرب ہے جو مبتلائے غم ہے

بے تاب ہو رہا ہے اس کو بھی تو بلالے
دنیا سے دل ہٹا کر اپنا ہی تو بنا لے

دن رات جا کے زمزم تم بار بار پینا
میری طرف سے بھی تم دو چار بار پینا

لیکن میری جانب سے بھی طواف کرنا
آنسو جو چند نکلیں، نذر غلاف کرنا

ہوگا نویں کو عرفہ رحمت کا روز ہوگا
قلب و زباں میں پیدا جب درد و سوز ہوگا

مشغول ہو دعا میں عرفات کی زمیں پر
ذرّوں کو خاک کے تم ملتے ہوئے جبیں پر

تم بے قرار ہو کر سجدہ میں جب پڑے ہو
پہلو بدل رہے ہو مبہوت سے کھڑے ہو

اشکوں سے بھیگ جائیں جب حاجیوں کے دامن
ایسی جھڑی لگی ہو بھادوں ہو یا کہ ساون

چیخوں سے اپنی حاجی تھرا دیں جب فضا کو
جب رحم آئے سب پہ بے ساختہ خدا کو

ہوگا وہ ایسا عالم ہر سمت نور ہوگا
قلب و نظر پہ طاری کیف و سرور ہوگا

تم ایسے پیارے عالم میں مجھ کو یاد رکھنا
ذکر و دعا سے لللہ مجھ کو بھی شاد رکھنا

اللہ تم کو ہر دم اپنی اماں میں رکھے
اپنا بنا کے تم کو دونوں جہاں میں رکھے

حج کا سفر تمہارا صد بار ہو مبارک
جانا بھی ہو مبارک، آنا بھی ہو مبارک

شیخ عبدالحکیم افغانی

علم و عمل اور جرأت و اخلاص کا ایک نمونہ

سعید الطنطاوی
ترجمہ و تلخیص
سعید الرحمن الاعظمی

مختصر تاریخ شیخ عبدالحکیم افغانی، افغانستان کے مشہور شہر قندھار میں ۱۲۵۰ھ یا بقول دیگر ۱۲۵۱ھ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائے عمر ہی میں وہ طلب علم کی غرض سے اپنے ملک سے باہر دوسرے ملکوں میں نکلے، انھوں نے ہندوستان کا سفر بھی اسی غرض سے کیا، پھر وہ ایک عرصہ تک حرمین شریفین اور بیت المقدس میں رہے، وہاں سے دمشق آئے اور تقریباً ربع صدی تک مدرسہ دارالحدیث الاشرفیہ میں قیام پذیر رہنے کے بعد شوال ۱۳۲۶ھ میں انھوں نے داعی اجل کو لبیک کہا۔

لمبا قد، سیاہ آنکھیں، کشادہ پیشانی، گھنی داڑھی، وجیہ، بارعب اور سنجیدہ چہرہ، جذباتی مزاج اور گندمی رنگ کا یہ نوجوان بجز محنت اور سنجیدگی کے کسی اور بات کو جانتا ہی نہیں تھا، اپنا مقصد ہر وقت پیش نظر رکھ کر اسی کے مطابق عمل کرتا۔ اپنے مخصوص حالات کی بنا پر شادی عمر بھر نہیں کی، اور اس باب میں وہ اپنے اسلاف عامر بن عبدالقیس تابعی، فضیل بن عیاض، امام نووی، ابن تیمیہ، جمال الدین افغانی، شیخ طاہر جزائری وغیرہ سے مشابہت رکھتے تھے۔ ان حضرات نے جس طرح اپنے مخصوص حالات کی بنا پر شادی نہ کرنا ہی افضل سمجھا اسی طرح شیخ عبدالحکیم نے بھی شادی کی طرف کوئی رغبت نہیں پائی، وہ علم و عبادت میں اس طرح مشغول رہے کہ کثرت عبادت کی وجہ سے ان کے قویٰ کمزور ہوگئے اور آخیر عمر میں ان کی کمر جھک گئی تھی۔

شیخ عبدالحکیم علم و فضل کے علاوہ زہد و تقویٰ اور عبادت و ریاضت میں اپنے زمانے کی ایک منفرد شخصیت کے مالک تھے۔ وہ اپنے شاگردوں سے ہمیشہ اس بات کے خواہش مند رہتے کہ وہ ان کی باتوں کو خوب اچھی طرح سمجھیں چنانچہ جب طالب علم سے وہ اپنی بتائی ہوئی بات دریافت کرتے اور وہ سمجھ کر ٹھیک جواب دیتا تو اس سے بے حد خوش ہوتے۔ اور ہر اشکال کا جواب نہایت خندہ پیشانی سے دیتے لیکن اگر سوال خارج از بحث ہوتا تو ان کا چہرہ غصہ سے سرخ ہو جاتا اور اپنے جذباتی مزاج کے باعث وہ جلد ناراض ہو جاتے۔ لیکن تھوڑی ہی دیر میں پھر ان کا حلم واپس آجاتا اور طالب علم کو نصیحت و خیر خواہی کے انداز میں سمجھاتے کہ اس طرح کے لایعنی اور فضول سوالات نہیں کرنے چاہئیں۔

سیرت کم خوراک، کم سونے اور کم سے کم بولنے کے عادی تھے، اپنے اکثر اوقات کو تعلیم و تصنیف اور مطالعہ و تحریر اور عبادت و تلاوت میں صرف کرتے تھے وہ ان تمام امور میں اپنے نظام الاوقات کے بید پابند تھے انھوں نے اپنے ہاتھ سے قرآن مجید کے کئی نسخے لکھے، اور وقف کیا، خوشنویسی میں بھی وہ کمال کی حد تک پہونچے ہوئے تھے۔ قربانی ہر سال کرتے، اور اپنے خاص مال سے خفیہ طور پر صدقات و خیرات کرتے رہتے تھے۔

تواضع و اخلاق علماء کا بے حد ادب اور احترام ملحوظ رکھتے تھے۔ چنانچہ وہ علماء کی مجلس میں غایت احترام کی بنا پر اپنے بڑھاپے میں بھی دوزانو ہو کر بیٹھتے تھے، اسی کے ساتھ ساتھ وہ فقراء اور اہل حاجت کے سامنے انتہائی متواضع رہا کرتے تھے لیکن اگر کوئی ان سے تعویذ وغیرہ مانگ لیتا تو غصہ سے بھڑک اٹھتے تھے وہ بدعت اور رسوم جاہلیت کے سخت دشمن تھے جبکہ اس زمانے میں لوگ بدعت کو قربت و عبادت کا ذریعہ تصور کرتے تھے۔

طالب علموں کی ایک جماعت نے ان سے حدیث پڑھنے کی درخواست کی تو فرمایا کہ مجھے حدیث کی اجازت نہیں حاصل ہے، لیکن جب وہ بید مُصر ہوئے تو شیخ بکری عطار کے پاس گئے اور ان سے کہا کہ کچھ طلبہ مجھ سے حدیث پڑھنے کے لئے مصر ہیں۔ حالانکہ مجھے حدیث کی اجازت نہیں حاصل ہے، اس لئے اگر آپ مجھے اجازت مرحمت فرمائیں تو میں انھیں درس حدیث دوں ورنہ پھر معذرت کر دونگا شیخ بکری عطار نے یہ سنتے ہی ان کو حدیث او لیت دیا جاؤ؟ (انی حرمت الظلم علی نفسی وجعلتہ بینکم محرما) پڑھ کر حدیث کی اجازت مرحمت فرمائی۔

شیخ عبدالحکیم درس دینے سے پہلے اس کی پوری تیاری فرمایا کرتے تھے۔ تیاری کے وقت ان کو طرح طرح کے اشکالات پیش آتے تھے اور وہ اپنے ذہن اور مطالعہ سے ان سب کو حل کر لیتے اور وہ ان تمام اشکالات اور اس کے جوابات کو اپنی کتاب کے حاشیہ پر لکھ لیتے تھے اگر اتفاق سے کسی اشکال کا جواب نہ سمجھ میں آتے تو اسے طلبہ سے بیان کر دیتے اور فرماتے کہ اس عبارت کا مطلب واضح نہیں ہو سکا ہے اور مصنف رحمۃ اللہ علیہ کی مراد اس سے سمجھ میں نہیں آئی۔ اس لئے تم دکسی شاگرد کو اشارہ کر کے) اس کا جواب کیا دیتے ہو، اگر شاگرد کا جواب مناسب معلوم ہوتا تو اس سے بے حد خوش ہوتے تھے اور فوراً اس کو لکھ لیتے، ورنہ اس کو چھوڑ کر دوسرے سے سوال کرتے، اور اگر کوئی شخص بھی اس اشکال کا تسلی بخش جواب نہ دے سکتا تو کہتے، یہ بات ہماری سمجھ میں نہیں آئی، اللہ تعالیٰ ہم کو اس کی سمجھ عطا فرمائے

اسی طرح جب ان کو نحو یا منطق کے مسائل میں کوئی اشکال پیش آجاتا تو فوراً کسی عالم سے رجوع کرتے۔ اور وہ بسا اوقات ان کے شاگردوں میں سے کوئی ہوتے عوام کے سامنے وعظ کہنے کے لئے وہ مساجد میں حلقے قائم کرنے کے روادار نہ تھے، اس لئے کہ وہ اپنے آپ کو اس کا اہل نہیں سمجھتے تھے۔

خودداری ایک دفعہ مارشل جواد پاشا آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، جو شام میں جزل فوجی کمانڈر تھا، اس نے دیکھا کہ آپ اپنے حجرے کے دروازے کے قریب زمین پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ شیخ عبدالحکیم نے مارشل کی قطعاً پروا نہیں کی اور اسی طرح بیٹھے رہے صرف سلام کا جواب دے کر خاموش ہوگئے۔ مارشل جواد پاشا آپ کے پاس بہت متواضع ہو کر بیٹھا رہا۔ اور چند منٹ کے بعد واپس چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد ان کو محسوس ہوا کہ کوئی چیز ان کے قریب رکھ دی گئی ہے۔ دیکھا تو سونے کی گنیوں سے بھری ہوئی ایک تھیلی ہے۔ اس کو دیکھتے ہی حجرے سے اس کو لے کر تیز دوڑے اور مارشل جواد پاشا کے دروازے پر پہنچ کر ایک دربان کے سامنے اس تھیلی کو یہ کہتے ہوئے پھینک دیا "جواد پاشا سے کہہ دو کہ میں فقیر و محتاج نہیں ہوں" اور پھر واپس آکر حجرہ کو اندر سے بند کر لیا۔

حاکم وقت نے ایک دفعہ ادیب افندی سے

کہا کہ میں کسی صالح اور متقی شخص سے ملنا چاہتا ہوں، ادیب افندی حاکم کو شیخ عبدالحکیم کے پاس لے کر گئے، وہاں پہونچکر ادیب افندی نے حاکم کا تعارف کراتے ہوئے کہا کہ آپ سے ملنے کی غرض سے آئے ہیں، شیخ عبدالحکیم نے اہلاً و سہلاً اور مرحباً کہہ کر انھیں بٹھایا، خود نہ اپنی جگہ سے ہلے اور نہ کھڑے ہوئے۔ حاکم نے دعا کی درخواست کی تو آپ نے چند منٹ دعا کردی، پھر اپنے مطالعہ اور پڑھنے میں مشغول ہوگئے۔ جاتے وقت حاکم نے دس لیرے نکال کر ان کی رحل پر رکھ دیئے اور چلا گیا۔ ان کے جانے کے بعد شیخ نے دیکھا کہ یہ روپئے رکھے ہوئے ہیں، تو اسے لیکر ان کے پاس واپس کرنے گئے اور بہت ناراض ہوکر ادیب افندی سے کہا کہ یہ کیا کیا تم نے، حاکم نے کہا کہ آپ اس کو اپنی ضروریات میں صرف کیجئے۔ لیکن شیخ نے بار بار کہا مجھے کوئی ضرورت نہیں ہے، بالآخر انھوں نے کہا کہ اچھا اس کو اپنے طلبہ میں تقسیم کر دیجئے، بہت مجبور ہوکر انھوں نے طلبہ کو وہ روپئے دیئے۔ اور خود ایک پیسے کا شوربا منگوا کر کھانا کھایا۔

ایک مہینہ کے بعد پھر حاکم وقت خدمت میں حاضر ہوا، اور اس دفعہ بیس لیرے رکھ کر چلا گیا۔ انھوں نے دیکھا تو لیکر واپس کرنے گئے۔ اس نے کہا حضرت آپ اپنی ضروریات میں اس کو صرف کیجئے۔ انھوں نے کہا مجھے کوئی ضرورت نہیں ہے۔ تو حاکم نے کہا، اس کو طلبہ میں تقسیم فرما دیجئے، شیخ عبدالحکیم خفا ہوگئے اور فرمایا تم خود تقسیم کرو، اور واپس کرکے چلے آئے۔

پاکبازی اور زہد

امراء و وزراء اور مالداروں سے بہت دور رہتے تھے۔ بقدر کفاف پر اکتفا کرتے اور اپنے زہد کی وجہ سے کسی کی کھانے کی دعوت بھی قبول نہیں کرتے تھے اور جب تک پورا یقین نہ ہو جائے کہ فلاں شخص کی کمائی بالکل حلال ہے۔ اس وقت تک اس سے ایک حبہ بھی نہیں کھاتے،

شیخ سعید ماردینی جوان کے شاگرد تھے، کبھی کبھی کچھ ایسی کھانے کی چیزیں لے کر آتے تھے جو ان کو پسند تھیں۔ ان کا گھر دور تھا لیکن اس کے باوجود وہ خود لیکر حاضر ہوتے۔ اور جب کھانا شیخ کے سامنے پیش کرتے تو فرماتے: عجیب بات ہے کہ پورے راستے میں تم کو مجھ سے زیادہ غریب شخص کوئی نہیں ملا

زندگی بھر وہ مزدوروں کے ساتھ کام کرتے رہے تاکہ وہ بجائے اس کے کہ دین کو ذریعۂ معاش بنائیں محنت کی روزی کھا سکیں۔ اس سلسلہ میں انھوں نے مختلف شہروں میں قیام کیا۔

ایک مرتبہ حاکم وقت رمضان کے شروع میں ان کے پاس آیا اور جاتے وقت گنیوں کی تھیلی پیش کیا۔ شیخ عبدالحکیم نے خفگی کے ساتھ لینے سے انکار کر دیا تو حاکم نے کہا کہ میں جانتا ہوں خود آپ کو اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے لیکن آپ چونکہ رمضان میں کام نہیں کرتے اس لئے یہ جرأت کر رہا ہوں، اس کو رمضان المبارک کا ہدیہ سمجھیں، شیخ عبدالحکیم نے انتہائی بے نیازی کے ساتھ فرمایا مجھے اس کی قطعاً ضرورت نہیں ہے میں نے اس الماری میں رمضان بھر کے لئے انتظام کر لیا ہے، حاکم نے الماری کھول کر دیکھا تو اُسے چند سوکھی روٹیاں اور سرکہ کا ایک ڈبہ نظر آیا۔

معمول اور وقت کی قدر

اپنی زندگی کا ایک لمحہ بھی بیکار نہیں گزرنے دیتے تھے دارالحدیث میں روزانہ وہ دو سبق صبح و شام پڑھاتے تھے، ہر سبق دو گھنٹے کا ہوتا تھا اور دو گھنٹے ہر سبق کے لئے شروح و حواشی کا مطالعہ فرماتے تھے۔ اس کے علاوہ تمام بقیہ اوقات عبادت اور تلاوت اور تصنیف و تالیف میں گزارتے تھے۔

ایک شخص نے چشم دید واقعہ بیان کیا کہ ایک دفعہ ان کو بے خوابی کی شکایت ہوگئی تو لالٹین جلا کر کتاب پڑھنے لگے، تا آنکہ نیند کا کچھ غلبہ ہوا، لیکن پھر نیند نہیں آئی، اور کتاب پڑھنا شروع کیا، ایک ہی رات میں متعدد بار یہ صورت پیش آئی۔

درس و تدریس کی زندگی پر آخر وقت تک قائم رہے، ایک طرف مزدوری کرتے اور دوسری طرف درس دیتے۔ اور بقیہ تمام اوقات کو عبادت و تلاوت میں گذار دیتے۔

علمی تبحر اور ان کی تالیفات

علوم عقلیہ و نقلیہ میں ایک سمندر تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کو مسائل میں تحقیق و تدقیق کا ملکہ عطا فرمایا تھا لیکن انھوں نے اپنی عمر کے آخری ثلث کو شرعی اور خالص دینی علوم کے مطالعہ میں گذارا، وہ ایک جلیل القدر حنفی المسلک فقیہ تھے۔

ان کے شاگرد شیخ سعید البانی کہتے ہیں:

"شیخ عبدالحکیم افغانی علوم عقلیہ و نقلیہ کے امام تھے، شام کے تمام بڑے علماء ان کی بیحد عزت و احترام کرتے تھے، اور کہتے تھے کہ اگر علمائے سلف کا نمونہ دیکھنا ہو تو شیخ عبدالحکیم کو دیکھو۔"

ایک طالب علم نے ایک دفعہ اصول فقہ کا درس لیتے ہوئے یہ سوال کیا کہ اس کا علم کا کیا فائدہ ہے۔ انھوں نے برجستہ جواب دیا کہ اس علم کا فائدہ "اجتہاد" ہے۔ تو اس نے کہا کہ اجتہاد کا دروازہ تو بند ہو چکا ہے؟ شیخ عبدالحکیم نے غصہ میں فرمایا کہ کس نے بند کیا ہے، دراصل بات یہ ہے کہ تمھارے اس ملک میں طالب علم ابھی نورالایضاح بھی نہیں پڑھنے پاتا کہ وہ اجتہاد کا دعویٰ کر بیٹھتا ہے۔

ان کے علمی آثار میں فقہ حنفی میں کشف الحقائق شرح کنزالدقائق ہے اور شرح الشاطبیہ، شرح بخاری پر حاشیہ اور ہدایہ پر تعلیقات و حواشی ہیں اور حاشیہ ابن عابدین اور شرح المنار اور حاشیہ پر تفسیر نسفی موجود ہے۔ لیکن ابھی بجز کشف الحقائق کے اور کوئی کتاب مطبوعہ نہیں ہے۔

وفات

۸ رشوال ۱۳۲۶ھ میں انتقال فرمایا۔ ان کی وفات کی خبر پھیلتے ہی لوگ جوق در جوق دارالحدیث میں جمع ہونا شروع ہوگئے۔ اور جامع اموی کے قبرستان تک راستہ بالکل بھر گیا، لوگ بے اختیار رو رہے تھے۔

جنازہ کے آگے فوجی دستہ، پولیس اور فوجی کالج کے طلبہ چل رہے تھے اور جنازہ کے پیچھے علماء حکام، شہر کے سربرآوردہ لوگ اور عوام تھے۔ باب الصغیر کے قبرستان میں علائی صاحب درمختار اور ان کے محشی ابن عابدین کی قبر کے پاس دفن کئے گئے۔

اور شیخ عبدالحکیم افغانی کے ساتھ جرأت و شجاعت اور علم و فضل کی تاریخ کا ایک درخشاں باب بھی ختم ہوگیا۔

عنقریب - پونہ - بمبئی سے

ایک نئی پیشکش

...... ڈائجسٹ؟

آفسٹ کی معیاری طباعت کے ساتھ

ترتیب دینے والے

اصغر علی عابدی ؛ اسحاق جلیس ندوی

انٹرویو

مولانا سعید احمد اکبرآبادی

صدر شعبۂ دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

یونس نگرامی ندوی

مولانا سعید احمد اکبرآبادی ——— یہ نام بھی نہ جانے کب سے کانوں میں پڑ رہا تھا اور صدیق اکبر کے مطالعہ کے بعد سے تو بڑی تمنا تھی کہ کوئی موقع ملے اور مولانا سے ملاقات کا شرف حاصل کر سکوں۔ میری یہ فطرت بھی عجیب ہے کہ جس شخصیت یا جس مصنف کا مجھ پر گہرا اثر پڑتا ہے۔ بے اختیار طبیعت یہ چاہنے لگتی ہے کہ اس سے زیادہ سے زیادہ ملنے کا موقع ملے۔ اور اس کے بارے میں زیادہ سے زیادہ جان سکوں اور اس کی تلاش و جستجو میں نہ جانے کن کن منزلوں سے گزرنا پڑتا ہے بہرحال مولانا سے ندوہ میں ایک بار ملاقات ہوئی۔ مولانا جس شفقت سے پیش آئے میں بیان نہیں کر سکتا ہوں۔ پھر اس کے بعد بھی کئی بار مولانا سے ملنے کا اتفاق ہوتا رہا اور ہر بار میں نے مولانا کی محبتوں اور شفقتوں میں کچھ اضافہ ہی پایا۔

دارالمصنفین شبلی اکیڈمی اعظم گڈھ کی جوبلی منائی جا رہی تھی، مولانا بھی تشریف لائے تھے۔ ملاقات ہوئی، میں نے ایک شام اپنی اس خواہش کا تذکرہ کیا کہ مولانا میں چاہتا ہوں کسی وقت آپ سے آپ ہی کے بارے میں کچھ پوچھوں اور یہ میری دیرینہ آرزو ہے۔ مولانا نے ازراہ شفقت میری اس درخواست کو قبول فرمایا اور دوسرے دن صبح آٹھ بجے ناشتہ کے بعد شبلی اکیڈمی کے خوشنما لان پر جبکہ سنہری دھوپ پھیلی ہوئی تھی۔ ایک کنارے میں مولانا کو گھیرے ہوئے ان کا وقت خراب کرنے میں مصروف ہوگیا، میں نے عرض کیا۔

س: ابتدائی زندگی کے حالات کیا تھے اور کس ماحول میں پرورش ہوئی۔

مولانا: میرے والد صاحب کا نام ابرار حسین تھا شہر کے مشہور ڈاکٹر تھے اور اچھی خاصی پریکٹس تھی۔ پورے گھرانہ میں انگریزی تعلیم رائج تھی۔ میری پیدائش سے پہلے میری ایک بہن تھی جس کا انتقال ہوگیا تھا اور ستر سال بیت چکے تھے اس وجہ سے والد صاحب بہت رنجیدہ رہتے تھے اور رہ رہ کر ہجرت کر جانے کا خیال پیدا ہوتا تھا۔ جب والد صاحب کے اس ارادہ کی خبر شاہ عبدالغنی صاحب کو ہوئی تو انھوں نے اس ارادہ سے باز رکھا اور برابر یہ کہتے رہے کہ گھبراؤ نہیں انشاءاللہ اولاد ہوگی بہرحال کچھ ہی عرصے کے بعد میں پیدا ہوا۔ جب میری پیدائش میں دو گھنٹے باقی رہ گئے تھے تو والد صاحب نے خواب دیکھا کہ مولانا قاسم صاحب نانوتوی اور مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی تشریف لائے ہیں اور فرما رہے ہیں کہ انشاءاللہ اولاد سعید ہوگی۔ چنانچہ جب میں پیدا ہوا تو میرا نام بھی سعید ہی رکھا گیا۔ والد صاحب قبلہ نے میری تربیت پر خاص توجہ دی اور ہمیشہ یہ خیال رکھتے تھے کہ میں غلط صحبتوں میں نہ پڑنے پاؤں۔ پہلے پہل تو میری ابتدائی تعلیم گھر پر ہوتی رہی بعد میں دیوبند گیا۔ جہاں میں نے عربی تعلیم مکمل کی جس زمانہ میں میں دیوبند میں پڑھتا تھا۔ کھانے اور رہائش کے علاوہ پچاس روپیہ اور مجھ کو ملتا تھا۔ والد صاحب یہ سمجھتے تھے کہ کہیں میں یہ نہ سمجھوں کہ چونکہ میں عربی پڑھ رہا ہوں اس لئے مجھ پر کوئی خاص توجہ نہیں دی جا رہی ہے جیسا کہ عام طور پر لوگ عربی پڑھنے والے لڑکوں پر بہ نسبت انگریزی پڑھنے والوں کے کم توجہ کرتے ہیں۔ عربی تعلیم کے دوران جس شخصیت کا مجھ پر گہرا اثر تھا وہ تھے مولانا انور شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ ——— اور یہ بات بھی سنتے چلئے کہ دیوبند میں جب میں پڑھتا تھا تو یہ مشہور تھا کہ سعید پڑھتا تو دیوبند میں ہے لیکن اس کا ذہن ندوی ہے کیونکہ میں معارف برابر منگاتا تھا اور دارالمصنفین کی کتابیں بھی ساتھ رکھتا تھا۔ ایک مرتبہ حضرت شاہ صاحب کو علامہ سید سلیمان ندوی کی کتاب ارض القرآن کی ضرورت پیش آئی تو مولانا رات کو ڈھونڈتے ہوئے میرے کمرہ پر تشریف لائے اور فرمایا کہ میں سمجھتا تھا کہ اس احاطہ میں یہ کتاب سوائے تمھارے اور کہیں نہیں مل سکتی۔ مولانا یہ فرما کر خاموش ہوئے تو میں نے سوال کیا کہ۔

عربی تعلیم کی تکمیل کے بعد انگریزی علوم کی طرف رجحان کے اسباب کیا تھے۔

مولانا نے فرمایا کہ جب میری ابتدائی تعلیم گھر پر ہو رہی تھی تو والد صاحب نے ایسا انتظام کر رکھا تھا کہ صبح کو ایک استاد عربی پڑھایا کرتے تھے اور شام کو ایک ماسٹر صاحب انگریزی کی تعلیم دیا کرتے تھے۔ چنانچہ اسی زمانہ میں انگریزی کی تعلیم اچھی خاصی ہوگئی تھی۔ جب دیوبند سے فارغ ہوا تو الحمدللہ کسی قسم کی کوئی معاشی پریشانی و تنگ حالی نہ تھی۔ میں نے سوچا کہ انگریزی کے بھی کچھ امتحانات دے لوں تو اچھا ہے۔ والد صاحب کو جب میرے اس ارادہ کی خبر ہوئی تو انھوں نے بھی اس معاملہ میں کافی دلچسپی ظاہر کی اور ایک مشہور انگریزی داں کو انگریزی پڑھانے پر مامور کر دیا اور اسی طرح میری انگریزی کی تعلیم مکمل ہوئی۔

س: آپ کی تصنیفی زندگی کا آغاز کس طرح ہوا اور اس کے محرکات کیا تھے؟

مولانا: میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ زمانۂ طالب علمی ہی سے میں معارف پڑھا کرتا تھا اور علامہ شبلی نعمانی کی کتابوں کا عاشق تھا، اس لئے بچپن ہی سے کچھ نہ کچھ لکھا کرتا تھا جو اس زمانہ کے رسائل میں شائع بھی ہوتا تھا پھر ندوۃ المصنفین سے وابستگی تصنیفی زندگی کا ذریعہ بن گئی۔

مولانا یہ فرما کر خاموش ہی ہوئے تھے اور میں دوبارہ کوئی دوسرا سوال کرنے والا تھا کہ اچانک ایک صاحب تشریف لائے اور فرمانے لگے۔ صاحب کب تک یہ سوالات کا سلسلہ جاری رکھئے گا۔ سب کچھ تو آپ نے پوچھ ڈالا بس بھی کیجئے بہت ہوا۔ میں کچھ جواب دینے ہی والا تھا کہ مولانا نے خود ان صاحب سے فرمایا۔ رہنے دیجئے یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ آپ تشریف لے چلئے میں ابھی آتا ہوں ان صاحب کے تشریف لے جانے کے بعد جن کے نام سے میں واقف نہیں ہوں۔ میں نے مولانا کی خدمت میں عرض کیا کہ اس دور میں طرح طرح کے نئے مسائل کا سامنا ہے بظاہر سائنس و مغربی تہذیب و تمدن کی برتری نے مسلمات چٹ کر رکھ دیئے ہیں ان مسائل کے سامنے ہمارے علماء کا کیا کردار ہونا چاہئے اور کیا اسلام میں ایسی اسپرٹ موجود ہے کہ لوگوں کے لئے تشفی کا سامان پیدا کر سکے۔

مولانا نے فرمایا کہ اسلام کی توانائیاں پورے آب و تاب سے موجود ہیں بس ضرورت اس بات کی ہے کہ ان کو دنیا کے سامنے صحیح طور پر پیش کیا جائے اور جہاں تک نئے نئے مسائل کا تعلق ہے اور علماء کے کردار کا تو آپ یہ سمجھ لیجئے کہ ان مسائل میں جوش سے زیادہ ہوش کی ضرورت ہے اور جذبات سے زیادہ حقیقت پسندی کی ضرورت ہے۔ یہ مسائل کوئی نئے نہیں ہیں بس نوعیت بدلی ہوئی ہے۔ (بقیہ ص ۱۵ پر)

طاقت کے عظیم سرچشمہ

جس سے دنیا کو جنت کا نمونہ بنایا جا سکتا ہے!

ترجمہ
غلام جیلانی ندوی

ایران کے مشہور شہر قم سے فارسی زبان میں نکلنے والے دینی و علمی مجلہ نے اپنے اداریہ میں ماہ رمضان پر تبصرہ کرتے ہوئے ایران کے ارباب بست وکشاد کو ایرانی معاشرہ کی اصلاح کی دعوت دی ہے جس کا ترجمہ پیش کیا جا رہا ہے، اس میں بہت سی مفید اور فکر انگیز باتیں آگئی ہیں، ہمیں امید ہے کہ اس کا ترجمہ دلچسپی اور نفع سے خالی نہ ہوگا۔ —— غلام جیلانی

گزشتہ ماہ کے واقعات

جس دن سے ماہ رمضان کا آغاز ہوا ہے نمایاں طور پر حادثات کی تعداد میں کمی ہوئی ہے اور اس کے نتیجہ میں قدرتی طور پر تھانوں میں رپورٹیں بھی بہت کم ہو گئی ہیں۔

پولیس کے ایک ذمہ دار افسر نے جو کئی سال تک تھانوں کا انچارج رہا ہے بیان دیا ہے کہ ماہ رمضان کے اکثر دنوں میں دارالحکومت (طہران) کے تھانوں میں سناٹا رہا۔

اس نے مزید کہا کہ جیب بازی، شراب نوشی گروہی تنازعات کے واقعات رمضان میں نہ ہونے کے برابر ہیں۔ زوجین کے اختلافات اور خانگی جھگڑوں کی تعداد بھی کم ہے اور اگر ہوتے بھی ہیں تو افطار کے بعد شروع ہوتے ہیں تھانوں کو اس ماہ میں خوب فرصت ہوتی ہے تاکہ منشیات سازی کے اڈوں پر چھاپہ مار سکیں۔

زخمیوں کی تعداد بھی بالکل کم ہو گئی ہے۔

"اخبارات"

اوپر کی خبریں ان لوگوں کے لئے جو مذہب کے اثرات اور معاشرہ میں اعلیٰ دینی تعلیم کی طرف توجہ نہیں کرتے یا اس کو شک و تردید کی نگاہ سے دیکھتے ہیں ایک زندہ ثبوت کی حیثیت رکھتی ہے اور ناقابل انکار حقیقت ہے۔

یہ خبر ان لوگوں کے لئے دندان شکن ثابت ہوگی جو اپنی مسموم تبلیغ میں کوشاں رہتے ہیں اور مذہب کے درپے ہیں اور اس کو رسم پارینہ اور از کار رفتہ ثابت کرتے ہیں۔ انتظامیہ کے ذمہ داروں کا یہ صریح اعتراف جو گزشتہ ماہ کے واقعات کے بارے میں تھا وہ صرف ایک شرعی حکم کے نفاذ کا کرشمہ تھا جس نے جرائم کی تعداد میں ۵۰ فیصدی کمی کر دی ہے ۵۰ فیصدی کم نہیں ہوتے۔ یہ تعداد اس اعتبار سے بہت زیادہ ہے کہ وہ جرائم جو ہمارے معاشرہ میں ہمیشہ اور مسلسل ہوتے رہتے ہیں وہ صرف چند فیصد رہ جائیں اور اس موجودہ حالت میں تو ان کو اور اہمیت حاصل ہو جاتی ہے۔

غور فرمایئے یہ کیسی زبردست طاقت کا سرچشمہ ہے کہ اس ذرا سی مدت میں اس سے انتہائی درخشاں نتائج برآمد ہوتے ہیں۔ حادثات، جرائم اور لڑائی جھگڑے میں اچانک ۵۰ فیصد تک کمی ہو جاتی ہے، کیا معنوی طاقت کا یہ عظیم سرچشمہ قابل مطالعہ نہیں ہے۔

اس زبردست حقیقی عامل کی سرعت تاثیر اور نفوذ کو دیکھئے کہ اس مہینے کے پہلے ہی دن سے یعنی جس دن سے اس حکم شریعت کا نفاذ ہوا ہے اسی دن سے فوراً بغیر کسی وقفہ کے اس کا اثر حیرت انگیز طور پر معجزے کی طرح ظاہر ہوا ہے، بلا شبہ یہ کام عصری تعلیم اور انتظامیہ کی زبردست قوت سے باہر ہے خواہ یہ ادارے کتنے ہی فعال کیوں نہ ہوں۔

غلط فہمی میں نہ پڑنا چاہیے یہ بات صرف رمضان المبارک کے روزوں پر ہی منحصر نہیں ہے بلکہ ہمارے تمام مذہبی احکام کی یہ عام خصوصیت ہے۔

اسلام کی مقدس ترین جگہ مکہ میں ہر سال ایام حج میں جو اجتماع ہوتا ہے اس میں تقریباً دس لاکھ افراد شرکت کرتے ہیں۔ وہ رشتۂ انسانیت اور اخوت اسلامی کے سوا ہر چیز میں اختلاف رکھتے ہیں۔ ذرا تصور کیجئے وہ دس لاکھ افراد پر مشتمل اجتماع اس... کہیں مکہ جیسے ایک چھوٹے شہر میں امن و امان نظم و انتظام اور ٹرافک وغیرہ کی کتنی دشواری پیدا کر سکتا ہے اور کتنے جھگڑوں اور نزاع و فساد کا باعث بن سکتا ہے۔ اس لئے کہ اس سے ایسی چھوٹے اجتماعات میں کتنے نظم اور تیاری کی ضرورت پڑتی ہے۔ دراں حالیکہ جو شخص کبھی خانۂ خدا کی زیارت کے لئے گیا ہے اس نے وہاں دیکھا ہے کہ امن و انتظام کے لئے اس عظیم اجتماع میں انتظامیہ کے مامورین کی تعداد کتنی کم ہوتی ہے۔ بلکہ یہ کہ انتظامیہ اور پولیس وغیرہ کے جو افراد مکہ میں چلتے پھرتے دکھلائی دیتے ہیں ان میں سے زیادہ تر رہنمائی اور مرد و عبور کے انتظامیہ اور حجاج کے قیام کی مشکلات اور عرفات و منیٰ کے نقل و حمل کے مسائل کو حل کرنے کے واسطے ہوتے ہیں۔ اس کے باوجود لڑائی جھگڑے چوری، جیب تراشی اور مختلف قسم کے جرائم کی تعداد اس ایک ملین پر مشتمل جمعیت میں نہ ہونے کے برابر ہے۔

یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے جس کو آزمایا جا سکتا ہے اس میں غلو و مبالغہ نہیں۔

خانۂ خدا کے زائرین کو مذہبی دستور میں لڑائی جھگڑوں سے منع کیا گیا ہے اور ارتکاب کی صورت میں جرم کے اعتبار سے معقول رقم بطور جرمانہ کے مقرر ہے۔ دوسری طرف اس عظیم اجتماع میں شرکت کرنے والوں کا ہجوم جو مختلف اطراف و جہات سے ایک مرکز کی طرف آتا ہے چاہیے تھا کہ کھیتوں، درختوں اور باغوں وغیرہ میں بربادی اور تباہکاری بطور یادگار چھوڑ جائے، پھر غور فرمایئے کہ اس مذہبی تقریب کا نقشہ اس قدر باریکی سے مرتب کیا گیا ہے کہ کسی بھی شخص کو اس سے نقصان اور پریشانی نہیں ہوتی، زائرین خانۂ خدا میں کوئی بھی اس کا حق نہیں رکھتا کہ مکہ کی گھاس اور درختوں کو کاٹے یا وہاں کے جنگلی جانوروں اور پرندوں کا شکار کرے۔

یہ چیز ہر نقطہ نظر سے بہت اہم اور قابل مطالعہ ہے، اخلاقی اعتبار سے اجتماعی نظم و ضبط کے نقطہ نظر سے، انتظامی اداروں کے در و بست کے ذریعے سے عدلیہ کے پھیلے ہوئے کام کو کم کرنے کے اعتبار سے ہنگاموں اور فسادات کے نقصانات کی درستگی اور مجروحین وغیرہ کے سلسلے میں جو کثیر اخراجات ہوتے ہیں ان کی تخفیف کے لحاظ سے اس لئے کہ جیسا کہ آپ نے ابھی دیکھا۔ انتظامیہ کے ذمہ داروں نے صحیح طور پر اعتراف کیا ہے

(باقی ص ۲۰ پر)

ہندوستان پر نادر شاہ کے حملہ کی دلچسپ داستان

حافظ حسان علوی بی اے آنرز ایم اے

حملہ کے دوران شاہی دربار کا طریق عمل

نادر کے حملہ کے دوران دہلی دربار کا طریقۂ عمل انتہائی سے زیادہ نااہلی اور ضعیف العقلی کی ایک داستان بن گیا تھا۔ ۱۹ جون ۱۷۳۸ء کو کابل میں شکست کی خبر جولائی کے پہلے ہفتہ میں دہلی پہونچ گئی تھی، لیکن سرحدوں کی حفاظت کرنے کے لئے ان مہینوں میں کچھ نہ کیا گیا۔ جب نادر شاہ نے خیبر کی خطرناک گھاٹیاں پار کر لیں تو اس کے ارادوں کا حال کسی غلط فہمی میں کسی نہ کسی حالت میں بھی مبتلا کر سکتا تھا، لیکن اس کے بعد بھی دو مہینوں تک اس خطرہ کا مقابلہ کرنے کے لئے کوئی مضبوط قدم نہیں اٹھایا گیا جبکہ اس خطرہ کی بو ہر کس و ناکس نے محسوس کر لی تھی اور ہر شخص پر نادر شاہ کے ارادے عیاں ہو چکے تھے۔

۲ دسمبر ۱۷۳۸ء کو شہنشاہ نے اپنے جن تین امرائے دولت کو سرکاری طور سے حملہ آور کے خلاف روانہ ہونے کا حکم سنایا۔ ان کے نام یہ ہیں ۱۔ اعتماد الدولہ قمر الدین خاں (وزیر) ۲۔ نظام الملک آصف جاہ (وکیل) اور ۳۔ صمصام الدولہ خان دوران (امیر الامراء اور بخشی) اور ساتھ ساتھ ان کے اخراجات کے لئے ایک کروڑ روپیہ گرانٹ کیا گیا، لیکن یہ لوگ دہلی سے باہر جا کر سرائے باولی کے قریب شالیمار باغ میں خیمہ زن ہو گئے اور اس طرح پورا ایک مہینہ ضائع کر دیا گیا۔[1]

عنک میں نادر شاہ کے دریا پار کرنے کی خبر جنوری ۱۷۳۹ء تک دہلی میں ضرور پہنچ گئی ہوگی، تب شاہی افواج کو تیزی کے ساتھ تیار ہو جانا چاہیے تھا۔ لیکن دربار کو اس بات پر پورا بھروسہ تھا کہ "زکریا خاں حملہ آوروں کو مار بھگائے گا"۔[2]

حالانکہ زکریا خاں کو مدد دینے سے شاہی دربار نے انکار کر دیا تھا۔ لیکن پھر بھی اس کی طاقت پر بھروسہ کئے ہوئے تھے مگر جب یہ بیچارہ گورنر دنیا کے فاتح کے آگے نہ ٹک سکا تو یہ لوگ چیخ پڑے اور گورنر کو دربار کی ہندوستانی پارٹی نے غدار قرار دیا اس پر الزام لگایا کہ اس نے جان کر ایرانیوں کو لاہور حوالہ کیا ہے۔ اس لئے کہ نادر شاہ کی طرح زکریا خاں بھی خراسان کا ہی رہنے والا تھا۔[3]

نادر شاہ کے حملہ کی پہلی ضرب ہی سے شاہی دربار نے اپنی نااہلیت کو تسلیم کر لیا، اور فوراً ہی نظام کو مشورہ کے لئے طلب کیا گیا۔ نظام اورنگ زیب کے زمانہ کا آخری شخص بچا تھا جس کے بال تک سفید ہو چکے تھے، جس نے بہت سی لڑائیاں لڑی اور دیکھی تھیں، جو زندگی کے تجربات سے مالا مال اور سیاسی چالوں کا مانا ہوا شاطر تھا، لیکن اس کے ایسے خطرناک موقعہ پر بھی اعلیٰ اور نمایاں حقوق نہیں دیئے گئے، اور نہ ہی وہ شہنشاہ کے اعتماد میں تھا۔ شہنشاہ کو تو ہندوستانی پارٹی اور خان دوراں نے اپنے ہاتھ میں لے رکھا تھا، اور اس کی ہر چیز کے مالک تھے، جیسا چاہتے تھے ویسا شہنشاہ سے کرا لیتے تھے، خان دوراں کو راجپوتوں کی بہادری پر بڑا بھروسہ تھا، اور ان کے متعلق بڑے ہی اچھے خیالات رکھتا تھا۔ اس نے بڑے بڑے ہندو راجاؤں کو شہنشاہ کی مدد کے لئے فرمان جاری کرائے، جس میں جے سنگھ کو خاص طور سے مدد کے لئے طلب کیا گیا تھا، لیکن راجپوتانہ اورنگ زیب ہی کے وقت سے ناامید ہو کر الگ ہو چکا تھا اور جے سنگھ اور دوسرے راجگان سیاسی آزادی چاہتے ہوئے اب اپنی آزاد حکومت کا اعلان کر رہے تھے اور مرہٹوں کو سلطنت مغلیہ کو ختم کرنے کے لئے بلا رہے تھے، چند راجاؤں نے تو معذرت کر لی اور کچھ نے پہونچنے میں تاخیر سے کام لیا۔ محمد شاہ نے باجی راؤ سے مدد کی اپیل کی تھی۔ جیسا کہ ہم کو پیشوا کے خط سے معلوم ہوتا ہے جو اس نے اپنے جنرل پلاجی جادون کو لکھا تھا

"میں شمالی ہندوستان کی طرف پیشقدمی کر رہا ہوں، ایرانی بادشاہ تہماسپ قلی دنیا کو ختم کرنے کے لئے آ گیا ہے، محمد شاہ کی مدد کرنے کے لئے میں ملہار راؤ ہولکر، رانوجی سندھیا اور پوار کی قیادت میں مالوہ کی فوج روانہ کر رہا ہوں، یہ مرہٹہ سلطنت کی عظمت کی نشانی ہے کہ مغل شہنشاہ نے ایسے موقع پر ہم سے مدد طلب کی ہے۔"

لیکن مرہٹوں پر اعتماد کرنا ایسا ہی ثابت ہوا جیسا کہ کوئی شخص خشک لاٹھی پر تھوڑا سا سہارا لے سکے، کوئی بھی دکھنی فوج شہنشاہ کی مدد کے لئے کرنال نہیں آئی۔ اس کے برخلاف کرنال میں شہنشاہ کے کیمپ کا مرہٹہ سفیر ۲۵ فروری کو چپکے سے جنگل کے راستوں سے نکل بھاگا اور جے پور کو محفوظ سمجھ کر وہاں پہونچ گیا۔

باجی راؤ بھی اپنے دوسرے خط میں نرمدہ کو نادر شاہ کے حملہ سے بچاؤ کے لئے زور دیتا ہے۔

شاہی افواج نے رمضان (دسمبر ۱۷۳۸ء) کا مہینہ دہلی سے باہر رہ کر گزار دیا، آخر کار تینوں امرائے دولت نے ۱۰ جنوری ۱۷۳۹ء کو لاہور کی طرف پیشقدمی شروع کی، لیکن صرف ایک شرط کے ساتھ کہ شہنشاہ بھی بذات خود اس فوج کے ساتھ شریک ہو کر بعد میں پہونچ جائے" ۱۸ جنوری کو یہ لوگ دہلی کے شمال میں ۵۵ میل دور پانی پت پہونچ گئے۔

اسی دن محمد شاہ بھی دہلی سے روانہ ہو کر ۲۰ جنوری کو پانی پت پہونچ گیا تھا، جہاں اس کے سرداران فوج اس کے آنے کی امید میں تو رو زسے قیام کئے ہوئے تھے، دربار کو نادر شاہ کی لاہور پر فتح کی خبر پہلے ہی پہونچ چکی تھی، اور اب تو خیر کو بچانے کی ساری امیدیں ختم ہو چکی تھیں اب یہ فیصلہ کیا گیا کہ "خیمہ زن ہو کر کرنال میں دشمن کا انتظار کیا جائے" جہاں علی مردان کی نہر سے پانی میسر تھا اور لڑائی کے لئے کافی سے زیادہ زمین بھی موجود تھی، یہ قیام اور بھی ضروری تھا کہ اودھ کا گورنر سعادت خاں اپنے ۳۰ ہزار گھوڑے سواروں کے ساتھ اسی مقام پر آ کر ملنے والا تھا اور راجپوتانہ سے بھی مزید کمک کی امیدیں تھیں۔

شہنشاہ کے مشیر کار، خاص طور سے نظام نے بجائے اس کے کہ وہ جنگ کی مصیبت مول لے، کرنال میں خندقیں بنا کر اپنے آپ کو محصور کر لیا، میر بخش سعد الدین خاں کے احکامات کے بموجب شاہی کیمپ کو کئی میل کے دائرہ میں مٹی کی دیواروں سے گھیر دیا گیا۔ اس گھیرے کی لائن پر توپیں لگا دی گئیں، خندقوں میں دن رات پہرہ دینے

[1] جے۔ این۔ سرکار بیان کرتا ہے کہ خان دوراں نظام کے ساتھ حسد و رشک کی وجہ سے یہاں رک گیا تھا، دہلی کرانیکل بیان کرتا ہے کہ ان کی فوجوں کے لئے حساب داں ۲۰ دسمبر کو بہت تاخیر سے مقرر کئے گئے اور ان لوگوں نے ہر چیز کا بڑی کاہلی سے جائزہ لیا تھا۔

[2] یہ میں کوئی شک نہیں کہ یہ رمضان کا مہینہ تھا (۲۳ دسمبر تک) لیکن اورنگ زیب نے تو رمضان میں بھی مہم سر کی تھی۔

[3] تذکرۂ شاکر خاں

کے لئے سپاہی متعین کردیئے گئے۔

کرنال میں نادری اور شاہی افواج کا تصادم

رستم علی کے تخمینہ کے مطابق، ایرانی فوج کی تعداد ۵۵ ہزار گھوڑے سوار تھی۔ یہ تعداد سچائی سے ہم آہنگ ہے، مرزا مہدی کی کتاب "تذکرہ جہاں کشائے نادری" سے ہم کو معلوم ہوتا ہے کہ نادر شاہ نے اسی ہزار فوج کی ہمراہی میں ایران سے پیش قدمی شروع کی تھی، لوکہ اس نے ان افغانوں کو بھی اس فہرست میں شامل کرلیا ہے، جو اس کو راستہ میں مل گئے، خراسان سے بھی اس نے مدد طلب کی تھی، اس کو ایک بڑی تعداد بہت سے مفتوحہ قلعوں کی حفاظت کے لئے چاہیے تھی اور مؤخر الجیش کی ایک طویل لائن سے خطوط کتابت کے لئے اس کو راستوں کی حفاظت کرنا تھی، اور ساتھ ساتھ اپنے لوٹے کی ایران واپسی پر اس کی حفاظت کے لئے فوج درکار تھی۔"

ہن وے کہتا ہے کہ: نادر شاہ تلاوری (ترا وری عظیم آباد کے قریب) ۸۰ ہزار فوج کے ساتھ پہونچا تھا اس میں اس کی مؤخر الجیش اور دوسرے حفاظتی دستے شامل نہیں تھے، ایرانی کیمپ ایک لاکھ ساٹھ ہزار اشخاص پر مشتمل تھا، جس میں کا ایک تہائی حصہ تنخواہ دار تھا، ان میں سب ہی کے پاس گھوڑے تھے، اور کچھ ان میں کے پوری طرح مسلح تھے، تاکہ یہ لوگ اچھی طریقہ سے غارتگری اور ساز و سامان کی حفاظت میں حصہ لے سکیں۔ اس کے کیمپ کے ساتھ تقریباً چھ ہزار عورتیں بھی شامل تھیں جو لمبے لمبے گہرے سرخ رنگ کے مردوں کی طرح لبادے پہنے ہوئے تھیں اور کوئی اگر ان کو فاصلہ سے دیکھتا تھا تو مرد و عورت میں تمیز مشکل سے ہو پاتی تھی۔

نادر شاہ کے سکریٹری کے تخمینہ کے مطابق مغل فوج تین لاکھ مشہور سپاہیوں پر مشتمل تھی، جس میں دو ہزار لڑنے والے ہاتھی اور تین ہزار توپیں بھی شامل تھیں۔ ___ رستم علی کے تخمینہ کے مطابق دو لاکھ گھوڑے سوار اور لاتعداد پیدل فوج تھی، ایک ہزار پانچ سو ہاتھی تھے، اور بہت سی توپیں تھیں لکھنؤ کا مورخ غلام علی اپنی کتاب عماد السادات میں اس سلسلہ میں بہت ہی زیادہ مبالغہ سے کام لیتے ہوئے لکھتا ہے کہ ___ "مغل فوج ۵ لاکھ گھوڑے سوار اور پیدل فوج پر مشتمل تھی، اور ہر سائز کی ۵ ہزار توپیں موجود تھیں اور گیارہ ہزار خیمے تھے،

آنند رام جو کہ وزیر کے سکریٹری کے فرائض انجام دے رہا تھا اور پانی پت تک فوج کے ساتھ بھی گیا تھا، پچاس ہزار گھوڑے سوار بتاتا ہے۔ اس کے علاوہ تین امرائے سلطنت کی اپنی خاص فوج بھی تھی۔ نظام اپنے ہمراہ صرف تین ہزار فوج لایا تھا، اس طرح ہندوستانی فوج کی کل تعداد کرنال میں ۷۵ ہزار سے زیادہ نہیں پہونچتی ہے۔

لیکن نہ لڑنے والوں کی تعداد بہت زیادہ تھی، شہنشاہ خود اپنے حرم اور عیش پرستی کے سارے ساز و سامان کے وہاں موجود تھا، اور اس کے مصاحبین کے بھی تمام خاندان وہاں موجود تھے، یہ دیکھتے ہوئے کرنال کے کیمپ میں اس وقت دس لاکھ آدمیوں کا تخمینہ لگانے میں کسی طرح کی بھی غلطی نہ ہوگی۔

ہندوستانی فوج کا گھیرا باوثوق ذرائع سے ۱۲ میل کے رقبہ میں کہا جاتا ہے۔ لیکن اتنی طویل دیوار بھی ایک باعمل دشمن کے لئے ناکافی تھی، جو اپنے توپ خانہ کو اونٹوں پر لاد کر لا رہا تھا اور جس کے فوجی جوان اور بوڑھے بہت ہی زیادہ پھرتیلے تھے، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پہلے ہی ہلے میں ہندوستانی فوج کی مزاحمتی طاقت ختم ہوگئی ایسے ہی جیسا کہ ۲۲ سال پہلے پانی پت میں سداشیو بھاؤ کی مرہٹہ فوج نرغہ میں پھنس کر تباہ ہوگئی تھی۔

شہنشاہ کی غلط لشکر کی تقسیم و ترتیب اسی وقت فوراً ظاہر ہوگئی، جس وقت دشمن نے پہلی ضرب لگائی تھی، اتنی بڑی تعداد ہونے کی وجہ سے ہندوستانی فوج کو (جس میں لاتعداد جانور بھی شامل تھے) اپنے خیمے لگانے میں بڑی دقتوں کا سامنا کرنا پڑا، ایرانیوں نے ہر طرف حملہ کرنا شروع کردیا تھا، اپنے حملوں کے دوران وہ ایندھن کے لئے لکڑی اور غلہ سب اٹھالے گئے۔ اس طریقہ سے غلہ کا بھاؤ ایک دم سے چڑھ گیا، چار دن کی لڑائی میں لوگوں کی اتنی بڑی تعداد اپنا جمع شدہ غلہ کھاگئی اور پانچویں دن بھوکوں مرتے ہوئے تمام فوج دب کر رہ گئی!

شیخ۔ علی حزیں حالات بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ:

"ہندوستانیوں نے اپنا توپ خانہ چاروں طرف لگا رکھا تھا اور بڑی تعداد ہونے کی وجہ سے لوگ ایک دوسرے سے گڈمڈ ہوکر رہ گئے تھے، قزلباشیوں نے ہر طرف سے آکر ایک گول دائرے میں ان کو گھیر لیا تھا، باہر جانے کے تمام راستے مسدود ہوگئے تھے، اسی وجہ سے تمام فوج قحط زدہ ہوکر رہ گئی تھی۔

محمد شاہ اور اس کے لاتعداد مصاحبین اور ساتھیوں نے جب قزلباشیوں کو چاروں طرف بکھرتے ہوئے دیکھا تو ان کے جسموں میں خوف و ہراس کی لہریں دوڑ گئیں اور وہ لوگ اپنی اپنی پوزیشن قائم رکھنے میں ناکام رہے اور جہاں تھے وہیں کے ہوکر رہ گئے۔

(باقی)

بقیہ طاقت کا عظیم سرچشمہ

کہ شریعت کے صرف ایک حکم کے نفاذ سے ان کو آرام کرنے کا موقعہ مل جاتا ہے اور بجائے اس کے کہ اپنا وقت امن کے برقرار رکھنے اور تنازعات کے سلسلے میں صرف کریں وہ گذشتہ سال کے پڑے ہوئے کاموں کو انجام دیتے ہیں۔

ایک طرف رپورٹوں کی کثرت اور بھرمار میں جو دوسرے بہت سے کاموں کی رفتار کو سست کردیتی ہے اور لوگوں کے اختلافات کے اضافہ کا سبب بنتی ہے، بڑی سرعت کے ساتھ ان میں کمی ہوجاتی ہے اور ان رپورٹوں کی کمی سے عدالتوں کو بھی اچھی طرح کام کرنے کا موقعہ مل جاتا ہے۔ اس عظیم طاقت کا سرچشمہ کہاں ہے؟

یہ ناقابل انکار حقائق بتلاتے ہیں کہ ہمارے معاشرہ میں ایک زبردست معنوی قوت پوشیدہ ہے جو کہ ہمارے معاشرہ کی بہبود اور درستگی میں بہت زیادہ اثر انداز ہوسکتی ہے اور اس کی مدد سے موجودہ معاشرتی امراض کا علاج ہوسکتا ہے اس عظیم طاقت کا اثر و نفوذ بہت زیادہ ہے حالانکہ اس کے مصارف بہت کم ہیں، ہم اپنے ساتھ بڑی بے انصافی اور ظلم کریں گے اگر اس طاقتور معنوی چشمہ کو جو دینی حقائق پر ایمان سے پیدا ہوتا ہے نہ آزمائیں، اور اس کے ذریعہ اپنے معاشرہ کو سربلند و سرفراز نہ کریں، حادثات کی پیش بندی تمام نظم اور اجتماعات کے کنٹرول کے لئے گرانقدر مصارف برداشت کئے جاتے ہیں پھر بھی ان کا کوئی خاطر خواہ نتیجہ نہیں نکلتا، لیکن پتہ نہیں کیوں اس طاقت سے بھرپور سرچشمہ سے جو کہ بہت سادہ اور کم خرچ ہے استفادہ کیوں نہیں کرتے اور اخلاقی و مذہبی بنیادوں کو تقویت دے کر جو بہت آسان ہے انتظامیہ اور عدلیہ کے بڑھتے ہوئے ناقابل برداشت بار سے نجات کیوں نہیں حاصل کرتے؟

کیا ہمارے ارباب حل و عقد اور اہل اقتدار ابھی تک ایسی عظیم طاقت کے وجود سے بے خبر ہیں؟

کیا ان کو ایمان باللہ کی طاقتور روشنی کی ابھی تک اطلاع نہیں پہونچی؟ کیا وہ نہیں جانتے کہ ہمارا ملک امن و امان اور سکون و اطمینان سے بہرہ اندوز ہے؟ یا یہ مؤثر فلیہ اپنے ارزاں ہونے کی وجہ سے نظروں میں نہیں جچتا، زندگی کے ایک ایسے اہم موضوع سے اس حد تک بے اعتنائی کا سبب یہ ہے کہ اسمیں شک و ارتیاب کی کارفرمائی ہے تو کیوں نہ ہم اس کی آزمائش کریں اور پہلے اسکول مکاتب اور درسگاہوں سے شروع کریں، بچوں اور نوجوانوں کی راسخ عقائد اور مذہبی بنیاد پر پرورش اور تربیت کریں اور اس کام کو تمام اضلاع میں وسعت دیں اور دیکھیں کہ اگر وہ ہمارے معاشرہ کی حالت کی درستگی میں ایک مؤثر ذریعہ ثابت ہوا ہے تو اس کو اصول

چند گھنٹے

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے ساتھ

دارالسلام "ادری" میں

جیب الرحمن ندوی

اعظم گڑھ ضلع میں "ادری" ایک چھوٹا سا گاؤں ہے، لیکن اس لحاظ سے وہ بہت خوش نصیب ہے کہ ملک کے اکثر و بیشتر اکابرین ملت نے دور دراز کی مسافت طے کرکے یہاں آنے کی زحمت گوارا کی، کہا جاتا ہے سید احمد شہیدؒ بھی اپنے تبلیغی دوروں کے سلسلے میں یہاں قیام پذیر ہوئے تھے، مولوی کرامت علی جونپوری بھی آئے تھے۔ تحریک خلافت کے سلسلے میں اور بھی اکابرین یہاں آچکے ہیں، خود راقم الحروف نے شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد صاحب مدنیؒ، شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند مولانا سید فخر الدین احمد صاحب، مولانا عبدالحق صاحب مدنی، مولانا حفظ الرحمنؒ اور دوسرے اکابرین کو یہاں خوش آمدید کہا ہے۔ لیکن آج اپنے اس چھوٹے سے گاؤں میں عالم اسلام کی مشہور شخصیت شفیق استاد حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی دامت برکاتہم کا خیر مقدم کرتے ہوئے دل میں مسرت و شادمانی کی جو عجیب کیفیت محسوس ہورہی ہے حقیقت یہ ہے کہ اس کی تصویر کشی ممکن نہیں۔

دارالسلام

گاؤں کے شور غل سے دور ایک چھوٹا مدرسہ ہے جسے کچھ زندہ دل نوجوان علم دوست ارباب ذوق کی محنتوں نے اس قدر بارونق اور شاداب بنادیا ہے، سفر کی صعوبتوں کے باوجود استاد محترم حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی وہاں تشریف لائے اور کچھ اس دور افتادہ و مہجور گوشہ میں علم و دین کی محفل آراستہ ہوگئی، پروگرام سے پہلے آرام کا وقفہ تھا، مختلف موضوعات پر باتیں ہونے لگیں، مولانا نے اپنے ایک عزیز شاگرد سے پوچھا "تم نے کبھی شعر بھی کہا ہے؟ لیکن اس سے قبل کہ حاضرین مولانا کے اس سوال پر کوئی تبصرہ کریں خود مولانا نے ہی موقع کی نزاکت کو محسوس کرتے ہوئے فرمایا "میں خود تو شاعری سے لطف اندوز ہوتا ہوں مگر شعر کہنے کا مجھے اتفاق نہیں ہوا۔ زندگی میں ایک دفعہ شعر میری زبان سے نکل گیا، مگر یقین نہیں کہ یہ شعر میرا ہے یا کسی اور کا تاہم ظن غالب ہے۔ کہ یہ شعر از خود مجھ سے موزوں ہوگیا ہے۔

سپاسنامہ

تقریباً ایک ماہ پہلے حضرت مولانا سے ادری آنے کی درخواست کی گئی تھی۔ خیال تھا اس موقعے پر ایک اچھا خاصا اجتماع ہوگا اور حضرت استاد اس اجتماع کو خطاب فرمائیں گے۔ مگر افسوس کارکنان دارالسلام کی شدید خواہش کے باوجود حضرت کے پروگرام سے اس کی کوئی گنجائش نہ نکل سکی، تاہم بعد نماز عصر دارالسلام کے پارک میں اہل علم کے ایک مختصر اجتماع میں مولانا امیر ادروی نے دارالسلام کی طرف سے حضرت مولانا کی خدمت میں ایک سپاسنامہ پیش کیا، اور مولانا نے اس کے جواب میں حسب ذیل تقریر کی۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی تقریر

میں نے سپاسنامہ سنا، مجھے اس سے ندامت بھی ہوئی اور خوشی بھی، ندامت اس لئے کہ مجھے نہ سپاسنامہ قبول کرنے کی عادت ہے اور نہ میں اس کا اہل ہوں۔ خوشی اس لئے کہ سپاسنامہ اپنی زبان، طرز تحریر، لکھنے والے کے خلوص خیالات اور سوالات کے لحاظ سے کافی اہم ہے۔ تاہم مجھے یہ کہنے میں کوئی تردد نہیں کہ سپاسنامہ اس چھوٹی سی جگہ سے کوئی مناسبت نہیں رکھتا، لیکن اس کے باوجود میں اپنے اس احساس کو چھپانا بھی نہیں چاہتا، کہ ادری جیسے چھوٹے دور افتادہ گاؤں میں جہاں لکھنے پڑھنے کی سہولت بہت کم ہے ایسے لوگ بھی ہیں جو اس طرح کے اونچے خیالات رکھتے ہیں اور عمدہ لکھتے ہیں۔

گاؤں کی پرسکون زندگی اپنی جگہ قابل رشک ہے لیکن اس کے باوجود حقیقت یہ ہے کہ کسی بڑے ملک میں گاؤں کی حیثیت ایک نقطے سے زیادہ نہیں۔ خدانخواستہ آپ یہ نہ سمجھیں کہ میں گاؤں کی اہمیت سے انکار کر رہا ہوں ہر شخص کو معلوم ہے کہ گاؤں اپنی جگہ اہم اکائی کی حیثیت رکھتے ہیں اس لئے مجموعہ یا ملک کی طاقت کا انحصار اس بات پر ہوگا کہ اکائیاں عمدہ اور مضبوط ہوں۔ اکائیاں اگر طاقتور ہیں، خود شناس ہیں تو لازمی طور پر مجموعہ بھی طاقتور اور مضبوط ہوگا۔

محترم دوستو! مسلمانوں کی کثرت کے لحاظ سے ہمارا صوبہ (یوپی) ایک مرکزی حیثیت رکھتا ہے خصوصاً اس ضلع اعظم گڑھ کی تو بڑی اہمیت ہے اور اس کے ساتھ ملک و ملت کی بڑی اہم اور ناقابل فراموش تاریخ وابستہ ہے۔ موجودہ اعظم گڑھ کی عمر سو ڈیڑھ سو برس سے زیادہ کی نہیں مگر صرف ہمارے صوبے میں نہیں پورے ملک میں اس کو نمایاں عزت اور شہرت حاصل ہے، صرف اس لئے کہ اس خطہ سے بڑے بڑے لوگ پیدا ہوئے جن کے فیوض اور برکات سے پورے ملک نے فائدہ اٹھایا، ملا محمود کو سب جانتے ہیں وہ اسی ضلع کے رہنے والے تھے، جونپور، اعظم گڑھ کی کچھ خصوصیت ہی تو تھی جس کی وجہ سے یہ خطہ شیراز ہند کہلایا، ملا نظام الدین اسی ضلع کے ایک تحصیل گھوسی کے رہنے والے تھے۔ حضرت شاہ محمد ٹیلہ والے بھی اسی ضلع سے تعلق رکھتے تھے جن کی علمی رہنمائی نے سارے ہندوستان کو ایک نئی زندگی دی ___ خدا کا شکر ہے۔ اب بھی یہ سرزمین بنجر نہیں ہوئی، اب بھی یہاں بڑی اچھی صلاحیت کے لوگ موجود ہیں، مجھے یقین ہے کہ اگر آپ حضرات محنت دلچسپی اور لگن کے ساتھ اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت کریں تو آپ کا یہ گاؤں مسلمانوں کی بڑی خدمت انجام دے سکتا ہے۔ خدا کا شکر ہے آپ کے آس پاس بہت سے عربی مدرسے ہیں جن کی تفصیل میں نہیں جانا چاہتا۔ مجھے اس وقت جو بات کہنی ہے وہ یہ کہ عربی مدارس میں یہ جذبہ پیدا ہوگیا ہے کہ وہ ترقی کریں اور ان میں ہر قسم کے علوم و فنون کی تعلیم ہو، یہ جذبہ نیک ہے، لیکن گاؤں کے مدارس کے لئے مفید نہیں ہوسکتا ہے، عربی یا فارسی کی انتہائی تعلیم کی وجہ سے خود گاؤں کسی قدر مشہور ہوجائے لیکن مجموعی حیثیت سے اس طرح کی کوششیں اپنے اندر کوئی مفید پہلو نہیں رکھتیں، پہلے کا وہ دستور صحیح تھا کہ چھوٹی چھوٹی جگہوں پر طلبا میں صرف ابتدائی تعلیم کی صلاحیت پیدا کی جاتی تھی، مگر یہ تعلیم

یعنی وہ یہ تھی کہ مدارس کو ان کی وجہ سے کافی شہرت حاصل ہو جاتی تھی، یہاں سے جانے کے بعد طالب علم بڑے مدارس میں اساتذہ سے پورا فیض حاصل کرتے تھے اور اپنی ٹھوس ابتدائی تعلیم کی بدولت وہ بہت جلد آگے بڑھ جاتے تھے، اس سلسلہ میں تو بعض مدارس کو اتنی شہرت حاصل تھی کہ بڑے مدارس کے اساتذہ یہ جان کر ہی اطمینان کر لیتے تھے کہ یہ طالب علم فلاں مدرسہ سے آیا ہے، افسوس آدھر زیادہ دنوں سے یہ حالت باقی نہیں رہی، میرا خیال ہے اسکی بڑی وجہ یہ ہے کہ اب ہر گاؤں کے مدارس ابتدائی تعلیم کے نظم و اہتمام کے باعث ابتدائی تعلیم پر کوئی توجہ نہیں دے پاتے جس کا اثر صرف مدرسہ کی کارکردگی پر پڑ رہا ہے بلکہ علماء بھی اس کی وجہ سے کافی متاثر ہو رہے ہیں۔

اپنے ملک کی تاریخ سے آپ بڑی حد تک واقف ہیں یہاں جب بھی اسلامی تہذیب، اسلامی علوم یا حکومت و سلطنت میں کوئی اضمحلال پیدا ہوا ہے، تو گاؤں اور دیہاتوں سے تازہ خون آیا، ایک شخص قصبہ سے اٹھکر مرکز میں آیا خواہ وہ مرکز لاہور ہو، دہلی ہو، پنجاب ہو الغرض آپ ہر جگہ دیکھیں گے کہ کسی گاؤں کا صاحب دماغ انسان آکر مرکز میں بیٹھ گیا اور اس کی وجہ پورے ملک اور پورے نظام میں ایک نیا جوش، نیا عزم، اور نئی زندگی پیدا ہو گئی، افسوس ہمارے گاؤں عرصے سے اس قسم کے انقلابی انسان پیدا کرنے سے قاصر ہیں، جسکی وجہ سے پورا ملک متاثر ہو رہا ہے

حضرات! آپ اپنی آبادی کو حقیر نہ سمجھیں اس کی بڑی اہمیت ہے۔ یہاں ایسی فضا پیدا کیجئے کہ بچوں میں پختگی پیدا ہو تاکہ وہ مرکزی مدارس میں جائیں تو ان کے اندر بڑے مرکز کا مقابلہ کرنیکی قوت اور طاقت پیدا ہو اور وہ بعد کے تکمیلی مدارج اطمینان سے طے کر سکیں آپ کا یہ مدرسہ "دارالعلوم" بڑی اہمیت کا حامل ہے، آپ یہاں بچوں کی ایسی تربیت کیجئے کہ وہ ملک و ملت کی خدمت انجام دے سکیں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ آپ یہاں خانقاہ بنایئے لیکن یہ ضرور چاہتا ہوں کہ یہاں ایسے اساتذہ ہوں جو طلباء میں دین کا صحیح ذوق پیدا کر سکیں، دینی علوم و فنون سے ان میں دلچسپی پیدا کریں اور اس طرح ان کو یہ بتائیں کہ یہ مدرسہ بہت کچھ ہے، یہ آبادی حقیر نہیں۔ اور یہ دارالعلوم ایک اچھی تربیت گاہ ہے۔ قبل از وقت بچوں میں باہر جانیکا شوق پیدا کر دینا ٹھیک نہیں، اساتذہ بچوں کو اپنی کمائی سمجھیں اور ان کی اس ڈھنگ پر تربیت کریں کہ وہ ملک میں اسلامی تہذیب کے ٹمٹماتے ہوئے چراغ میں زندگی کا نیا تیل ڈال سکیں ملک و ملت کو آج خون کی ضرورت ہے، مگر ایسا خون جو ابلتا ہوا جوش مارتا ہوا، رگوں میں دوڑنے کے لئے بیتاب ہو یقین مانئے اب شہروں میں یہ خون پیدا نہیں ہو سکتا لے دے کر دیہاتوں ہی سے اسکی توقع کی جا سکتی ہے، یہیں کی فضا کسی قدر سازگار ہے، میں سپاسنامے سے بہت متاثر ہوں جہاں ایسے نوجوان ہوں جو اس طرح کے خیالات اور اس طرح کی تحریر لکھ سکتے ہوں وہاں تعلیم کا معیار بھی بہت بلند ہونا چاہیئے، سپاسنامہ لکھنے والے کو میں مبارکباد دیتا ہوں، لیکن ان سے میری گذارش ہے کہ وہ اپنے موضوع کو اس سے زیادہ مفید بنائیں اسلامی مقاصد پر اپنی صلاحیت کو استعمال کریں اور کسی بڑے مقصد کے لئے کسی اہم موضوع پر اپنے آپ کو وقف کریں۔

سپاسنامے میں جو سوالات اٹھائے گئے ہیں میری تازہ تصنیف "مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش" قریب قریب اسی موضوع پر ہے جس میں آپ کو اپنے بہت سارے سوالات کا جواب مل سکتا ہے میں انشاءاللہ اسے یہاں بھیجنے کی کوشش کروں گا۔

مجھے یہ جان کر بڑی خوشی ہوئی کہ میری کتابیں آپ کے یہاں مانوس ہے اور آپ حضرات کے مضامین بھی اسمیں آتے رہتے ہیں۔ میں آپ حضرات کی عزت افزائی کے لئے شکر گذار ہوں انشاءاللہ جس قدر بھی آپ لوگوں کی مدد کر سکتا ہوں کروں گا اس وقت کا آنا بالکل اتفاقی امر ہے۔ مجھے وہم و گمان بھی نہیں تھا کہ میں یہاں تک پہونچ سکوں گا، انشاءاللہ اگر کبھی آنا ہوا تو دعا ہے کہ دارالعلوم کو اس سے بہتر شکل میں عمارت کے لحاظ سے نہیں تعلیم و تربیت کے لحاظ سے دیکھ سکوں، میرا مخلصانہ مشورہ ہے کہ آپ حضرات وہ ایک مضامین پر طلباء کو خاص طور پر تیار کریں، اور ان کے ذہن کو پختہ کریں، یہی بچے کل ہماری جگہ ہوں گے اور انشاءاللہ ملک و ملت کی بڑی خدمت انجام دیں گے خدا انھیں اپنے مقصد میں کامیاب کرے۔

اصل چیز ہے رضائے الٰہی، اگر یہ چیز مطلوب ہے تو انشاءاللہ ہماری مدد کیجائے گی، بچپن میں ہم نے ایک قصہ پڑھا تھا کہ ایک قلعہ فتح نہیں ہو رہا تھا تمام جنگی تدبیریں ناکام ہو چکی تھیں اسی دوران رات میں ایک روز ہوا اور پانی کا زبردست طوفان آتا ہے جس سے تمام لشکر تر بتر ہو کر رہ جاتا ہے، مگر اسی عالم میں لشکر میں ایک الیسا درویش بھی ہے جس کے جھونپڑے کا چراغ بھی گل نہیں ہوا ہے لوگوں نے درویش سے درخواست کی انھوں نے دعا کی اور قلعہ فتح ہو گیا، میں سمجھتا ہوں یہ قصہ صحیح بھی ہو سکتا ہے، اس سے ایک بڑا سبق یہ ملتا ہے کہ رضائے الٰہی کا چراغ طوفان میں بھی جلے گا، اس میں وہ تیل اور وہ لو ہے جو کبھی بجھ نہیں سکتی، ذات باری کے سامنے سارا جہاں سرنگوں ہے حقیقتاً اگر نور حق سے تعلق پیدا ہو گیا تو پھر بقائے دوام میں کوئی شبہ نہیں ورنہ دور حاضر کی تند و تیز آندھیا میں صرف مادی اسباب و سائل سے کسی چراغ کا جلتا رہنا بڑا دشوار ہے، یاد رکھئے اگر اللہ سے صحیح تعلق پیدا نہیں ہو سکتا تو پھر کوئی چراغ نہیں جل سکتا مجھے آپ حضرات سے مل کر اور آپ کی اس زندہ کوشش (دارالعلوم) کو دیکھکر بڑی خوشی ہوئی خدا اس کو بار آور کرے اور قبول فرمائے

حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی کی تقریر کے بعد مولانا عبد اللطیف نعمانی نے ایک مختصر تقریر کی اور کہا کہ حضرت مولانا علی میاں صاحب نے جن باتوں کی طرف اشارہ کیا ہے وہ ایسی نہیں جس سے ہم اغماض کریں تمام مدارس کو چاہئے کہ وہ ایک دوسرے سے نہ صرف تعاون کریں بلکہ اپنے ایک محدود اور مخصوص دائرے میں اس طرح اپنے فرائض کو انجام دیں کہ طالب علم میں زیادہ سے زیادہ علمی ذوق اور دینی جذبہ پیدا ہو آج ملک میں ماہر فن اساتذہ کی جس قدر کمی ہے مدارس کی کثرت کو دیکھتے ہوئے اس پر حیرت و تعجب کا اظہار کیا جاتا ہے جو ہمارے لئے بڑے شرم کی بات ہے اور یہی سے واپسی کے بعد مولانا نے مئو میں بہت مصروف دن گذارے اور مفتاح العلوم میں (جسکی دعوت پر مولانا تشریف لے گئے) انکی بہت بیش قیمت اور مفید تقریریں ہوئیں لیکن افسوس ہے کہ آپکی تقریر قلمبند نہ کی جا سکی، بالخصوص مفتاح العلوم میں طلباء و اساتذہ کے سامنے مولانا نے روحانیت نمایاں قابلیت کی اہمیت اور ضرورت اور اسکی تاثیر دعوت کے موضوع پر جس قدر موثر اور پر مغز تقریر کی وہ ہندوستان کے تمام مدارس اور اہل علم کے لئے لائق استفادہ بھی

ایک نئی اور معرکہ آرا تصنیف

مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش

مسلم ممالک میں مغربیت اور اسلامیت کی کشمکش کی مستند تاریخ

مغربیت کے رجحان کے آغاز و ارتقا کی کہانی۔ مختلف ممالک میں تجدد کی تحریکوں کا تاریخی جائزہ۔ انکے اسباب و محرکات اور انکا علاج۔ مغربی تہذیب کے بارے میں مسلم ممالک کے صحیح رویہ کا تعین۔ اور عہد حاضر میں انکے کردار و پیغام کی تشریح

تالیف: مولانا سید ابو الحسن علی ندوی

آفسٹ طباعت، نظر افروز سرورق

قیمت پانچ روپے

ناشر: مجلس تحقیقات و نشریات اسلام ندوہ لکھنؤ

بقیہ انٹرویو سعید احمد اکبرآبادی

عباسی عہد میں اس زمانہ کے مسائل تھے، آخر علماء نے ان کا مقابلہ کیا یا نہیں، دیکھئے، فلسفہ کا کتنا زور تھا امام غزالیؒ نے فلسفہ پڑھا اور انھیں کے ہتھیار سے ان کو شکست دی اور آج بھی جب سائنس اور ٹکنالوجی کا زور ہے تو ہم لوگوں کو بھی اپنے سلف کا راستہ اختیار کرنا چاہیے اور انھیں کے ہتھیار سے ان کو شکست دینی چاہیئے کسی بھی علم یا فن کے سیکھنے میں شرم یا عار مطلق نہ محسوس کرنا چاہیئے، کیونکہ یہ ہمارے اسلاف کا طریقہ رہ چکا ہے۔

مولانا آپ نے مغربی دنیا کا گہرا مشاہدہ کیا ہے اس کے مقابلے میں آپ مشرق کو کیا درجہ دیتے ہیں۔ اور مغرب کے مقابلے میں مشرق کی کیا چیز آپ کو پسند ہے

ظاہر ہے کہ مشرق اپنی روحانیت کے لحاظ سے بڑھا ہوا ہے۔ خواہ وہ کسی صورت میں ہو۔ بہرحال یہ پورے مشرق میں ہے — مغرب اس چیز میں تقریباً کورا ہے۔ اس کے علاوہ مشرق کی جو چیز سب سے زیادہ مجھ کو پسند ہے، وہ ہے خاندان والوں کی آپس میں میل محبت، مغرب میں یہ چیز ناپید ہے، وہاں باپ کو لڑکے کی فکر نہیں رہتی اور نہ لڑکے کو باپ کی فکر رہتی ہے تو پھر دوسرے رشتہ داروں کا کیا پوچھنا ہے۔ لیکن ایک چیز سمجھئے، مشرق میں یہی محبت اور خاندانی رشتہ جب حد سے زیادہ بڑھ جاتے ہیں تو اس کا نقصان بڑھنے لگتا ہے۔ اب دیکھئے یہاں بے چارہ باپ لڑکے کی کفالت کرتا رہتا ہے۔ آخر وقت شادی ہو جاتی ہے تو اس کی بیوی اور لڑکوں تک کی کفالت والد پر فرض ہے اور وہ بے چارہ کسی نہ کسی صورت سے یہ سب فرائض پورا کرتا رہتا ہے۔ اب اس کا نقصان یہ ہوتا ہے کہ صاحبزادہ میں بے ہمتی اور کاہلی پیدا ہو جاتی ہے اور آگے چل کر وہ کسی کام کے نہیں رہتے ہیں لیکن مغربی دنیا میں ایسی بات نہیں ہے۔ وہاں ہمہ وقت لڑکوں کے سامنے یہ مسئلہ درپیش رہتا ہے کہ ان کو اپنا بار اٹھانا ہے۔ اسی لئے وہ بچپن ہی سے ہاتھ پیر مارنے لگتے ہیں بہرحال دونوں ہی جگہ کی یہ افراط و تفریط ٹھیک نہیں ہے۔ دونوں جگہ بیچ کا راستہ اختیار کرنا چاہیئے۔

میں نے گھڑی دیکھی ساڑھے نو بج رہے تھے سورج اب کچھ اور اونچا ہو گیا تھا۔ لیکن آسمان پر بادل کے چند ٹکڑے سرگشتی میں مصروف تھے۔ جس نے دھوپ چھاؤں کا موسم پیدا کر رکھا تھا۔ کیاریوں سے گذرتی ہوئی حسین و رنگ برنگے پھولوں کا منھ چومتی ہوئی ہوائیں اس دھوپ کو چاندنی بنائے ہوئے تھیں۔ اس خوشگوار موسم کا پورا پورا فائدہ اٹھاتے ہوئے میں نے عرض کیا۔

مولانا آپ کو اپنی تصنیفات میں کس تصنیف سے سب سے زیادہ لگاؤ ہے اور اس کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

مولانا نے سگرٹ کی راکھ جھاڑتے ہوئے فرمایا

اپنی تصنیفات میں سب سے زیادہ تو لگاؤ مجھ کو صدیق اکبر سے ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ شاید یہی کتاب میری نجات کا ذریعہ بنے۔ کیونکہ جب اس کتاب نے اپنی طباعت کے مراحل ختم کئے ہیں تو میری بیوی نے ایک رات خواب دیکھا کہ ایک خاتون تشریف لائی ہیں، اور پوچھ رہی ہیں کہ سعید کہاں ہے اس کی خیریت دریافت کرنے آئی ہوں جب ان خاتون سے میری بیوی نے نام دریافت کیا تو فرمایا میرا نام عائشہ ہے اور یہ کہکر آپ تشریف لے گئیں، پھر اس کے علاوہ میں اکثر یہ سوچا کرتا تھا کہ قرآن مجید نے جو ان حضرات کا نقشہ پیش کیا ہے وہ کچھ اور ہے اور تاریخ میں کچھ اور بتلاتی ہے، چنانچہ جب میں نے قرآن کی کھنچی ہوئی تصویروں کا موازنہ کیا تو بڑا تضاد معلوم ہوا بس اسی وقت سے مجھ کو یہ کھوج لگ گئی کہ آخر یہ تضاد کہاں سے اور اس کو کس طرح رفع کیا جائے حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر علامہ شبلی نعمانی قلم اٹھا چکے تھے اسی لئے میں نے صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ سلسلہ شروع کیا ہے اب انشاءاللہ اسی طرح سیرت عثمانؓ و علیؓ بھی لکھنے کا ارادہ ہے اللہ تعالیٰ پورا فرمائے۔

مولانا اب میں آپ کا زیادہ وقت نہیں ضائع کروں گا، صرف اتنا فرمائیے کہ اپنے معاصرین میں آپ کن حضرات سے متاثر ہیں؟

اپنے معاصرین میں مولانا علی میاں صاحب سے متاثر ہوں ان کی علمیت اور دینی و دعوتی جذبہ کی وجہ سے میں ان کی بڑی قدر کرتا ہوں اس کے علاوہ مولانا یوسف بنوری اور امتیاز علی خانصاحب عرشی سے بھی متاثر ہوں، ان لوگوں کے علمی اشتغال و تحقیق کی بنا پر۔

مولانا عبد الماجد صاحب دریابادی کے بارے میں آپ کیا رائے رکھتے ہیں، دیکھئے میں ان کو اپنا معاصر نہیں سمجھتا ہوں ان کو تو میں اکابرین میں شمار کرتا ہوں بھلا یہ فرمایئے کہ ایک اچھا مصنف بننے کے لئے کن شرائط کا ہونا لازمی ہے مولانا نے فرمایا کہ ایک اچھا مصنف بننے کے لئے ضروری ہے کہ جس کو جس فن سے دلچسپی ہو اس فن پر لکھی گئی کتابوں کا خوب گہرا مطالعہ کسی کے مشورے سے کرے اور پھر ان لکھنے والوں میں سے کسی ایک کا طرز اختیار کرنے کی کوشش کرنی چاہئے جب کچھ مطالعہ ہو جائے تو پھر اپنے خیالات کا اظہار کرنا چاہیئے

مولانا آپ اردو ادب کے طالب علموں کو کیا مشورہ دیتے ہیں کن حضرات کی کتابیں مطالعہ میں رہنا چاہئے، اردو ادب کے لئے علامہ شبلی نعمانی و سید سلیمان ندوی کی تحریروں کا مطالعہ بہت ضروری ہے اور یہ بھی سمجھے رہئے کہ کسی علمی مسئلہ پر بھی اگر اردو میں لکھا ہے تو انھیں حضرات کو نمونہ بنانا چاہیئے اردو میں علمی انداز سے لکھنا علامہ شبلی ہی کے ذریعہ رائج ہوا۔

مولانا اس طرف آپ مشرقی دہلی کے سفر پر تشریف لے گئے تھے جس کا مقصد ظاہر ہے تبشیرید دورہ کیا پر جو قیامت گذر گئی اس صورت میں اس سفر کا کیا مقصد تھا۔ اصل غلط فہمی اس سفر کے مقصد سے لاعلمی کی بنا پر ہے ہم لوگ دوسرے مقاصد کر گئے تھے اور دوران گفتگو جہاں جہاں بھی ان فسادات کا تذکرہ آیا ہم نے اور طارق علی جعفا وغیرہ نے بھی برابر اعتراف کیا کہ فرقہ وارانہ فسادات ہوتے ہیں ہم لوگوں کی بدقسمتی ہے کہ اب تک اس مسئلہ پر قابو نہیں پایا جا سکا ہے، میں جب لکھنؤ عید میلاد النبی کے جلسہ میں گیا تھا تو وہاں میرے ساتھ جو کچھ کیا گیا تھا میں سمجھتا تھا کہ یہ سب لاعلمی کی بنا پر ہے اسی لئے میں نے منتظمین سے کہہ دیا تھا کہ دیکھئے ان لوگوں پر پولیس ہاتھ نہ ڈالنے پائے۔ یہ فرما کر مولانا نے گھڑی دیکھی، گیارہ بج چکے تھے۔ جوبلی کی تیاریاں اپنے عروج پر تھیں۔ دورے میں نے عمران صاحب کو آتے ہوئے دیکھا جو ایک مرتبہ تنبیہ کر کے جا چکے تھے مولانا کو شاید شہر میں کہیں جانا تھا۔ اس لئے یہ صحبت ختم ہو گئی۔

اس وقت جبکہ یہ انٹرویو قلم بند کر رہا ہوں مولانا کا شاداب و پر رونق چہرہ نگاہوں کے سامنے ہے اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہی ماحول ہے اور وہی موسم ہے۔ حالانکہ سامنے کی پھیلی ہوئی دھوپ اور اس کی تمازت اور یہ اکھڑی اکھڑی اور تیز ہوائیں کسی موسم کی رخصتی اور کسی گرم موسم کی آمد آمد کا اعلان کر رہی ہیں

براہ کرم

خط کتابت کرتے وقت خریداری نمبر کا ضرور حوالہ دیجئے۔

بقیہ اپنے گھر سے بیت اللہ تک

لیجئے! مروہ پر سعی ختم ہوئی ساتواں پھیرا تمام ہو
دعا کیجئے، اور اگر آپ متمتع ہیں تو حجام کے پاس جا کر بال بنوائیے
احرام کھول دیجئے اور اگر قارن یا مفرد ہیں تو نہ حجامت بنوائیے
نہ احرام کھولئے،

اب روزانہ کا معمول یہ ہے کہ صبح صادق سے
پہلے حرم میں آ گئے، کبھی رکن یمانی کے سامنے مصلی مالکی کے
پاس، کبھی حطیم کے سامنے مصلی حنفی کے نزدیک کبھی مصلی حنبلی
سے ملے ہوئے اور کبھی قسمت سے مقام ابراہیم کے پاس یا
مصلی شافعی کے دائیں بائیں نوافل پڑھے، کبھی ہر دو رکعت
کے بعد ایک طواف کیا، کبھی نوافل کے بعد اکٹھا کئی طواف
کر لئے، غرض جس طرح موقعہ ملا نوافل و طواف میں وقت
گذارا، صبح کی اذان ہوئی، نماز پڑھی، اس وقت طواف کرنے
والوں کا ہجوم ہوتا ہے، خدا جانے کتنے اولیا اللہ اور مقبولین
ہوتے ہیں، عامہ مومنین بھی کیا کم ہیں، طلوع آفتاب تک
طواف کئے، پھر اکٹھا طواف کی رکعتیں پڑھیں، اشراق پڑھی
اور قیام گاہ پر آ گئے۔

مکہ معظمہ میں طواف سے بہتر مشغلہ اور وظیفہ
کیا، سارے دن آدمی طواف کر سکتا ہے، بعض اہل ہمت
بیس بیس، تیس تیس طواف دن بھر میں کر لیتے ہیں،
"فضائل حج" میں ہے کہ کرز بن وبرہ کا معمول تھا کہ ستر طواف
دن میں اور ستر طواف رات میں کرتے اور دو ختم قرآن روزانہ
پڑھ لیتے (بحوالہ احیاء) آخر شب میں اور گرمیوں میں ٹھیک
دوپہر کو بھی کم ہوتا ہے بعض اہل ذوق ان اوقات کا انتظار
کرتے ہیں، بعض ہر نماز کے بعد کرتے ہیں بعض صبح ہی کو پسند
کرتے ہیں کہ معلوم نہیں کس کی برکت سے ہمارا طواف اور
ہماری دعائیں بھی قبول ہو جائیں رحمت الٰہی کس کی طرف
متوجہ ہو اور ہم کو بھی نہال کر جائے۔

"ولناس فیما یعشقون مذاہب"

لیکن کسی وقت آئیے، دن ہو یا رات، بھلا پہر ہو
یا غلیک دو پہر شمع پر پروانوں کا وہی ہجوم ہے، مطاف کسی
وقت بھی خالی نہیں، اگر اس کے انتظار میں رہئے گا کہ دو چار
آدمی ہوں اور پورے سکون و طمانیت کے ساتھ طواف
کریں تو یہ حسرت کبھی پوری نہ ہوگی جس کو اللہ نے مثابۃ للناس
(لوگوں کے لوٹ لوٹ کر آنے کی جگہ) بنایا اور جس کو سب
سے بڑی محبوبیت و مرکزیت عطا فرمائی اور دلکشی کوٹ
کوٹ کر بھر دی، وہ عشاق سے خالی کب رہ سکتا ہے، رات
کو عشا کے بعد سے صبح صادق تک ہر ہر گھڑی میں آ کر دیکھا
دربار بھرا ہی ہوا پایا۔

ادھر ملتزم کا حال یہ ہے کہ وہ دعا کرنے والوں
اور مچل مچل کر مانگنے والوں اور پلٹ پلٹ کر فریاد کرنے والوں
سے کسی وقت خالی نہیں، کوئی عربی میں، کوئی فارسی میں
کوئی ترکی میں، کوئی سوڈانی میں، کوئی جاوی میں، کوئی
اردو میں، کوئی بنگالی میں، کوئی نثر میں، کوئی نظم میں، کوئی
زبان بے زبانی میں عرض حال کر رہا ہے۔ دل کھول کھول کر
مانگ رہا ہے، پھوٹ پھوٹ کر رو رہا ہے، کوئی پردہ میں
منہ ڈالے بڑے درد سے پڑھ رہا ہے ؎

بر درآمد بندۂ بگریختہ
آبروئے خود بعصیاں ریختہ

یثرب کا مہماں

انوار احمد خاں انور سیمابی نوی

تنویرِ عالم، مہرِ درخشاں
تزئینِ گلشن، فخرِ گلستاں
تکوینِ عالم، تکمیلِ دوراں
تقدیرِ ہستی، توقیرِ انساں
شہودِ شاہد، محمودِ حامد
مطلوبِ طالب، محبوبِ یزداں
احسانِ محسن، اعجازِ معجز
اظہارِ مظہر، اسرارِ پنہاں
تخلیقِ خالق، تکمیلِ کامل
والئِ خلقت، ختمِ رسولاں
تاجِ شفاعت ختمِ رسولاں
شمعِ نبوت، انوارِ ایماں
حسنِ تکلم، جانِ ترنم
تفسیرِ اسریٰ، تقریرِ قرآں
والشمس، روئے پاکِ منور
کاکل بہ سنبل گیسو بہ ریحاں
ہادیِ عالم، فاتحِ اعظم
اللہ اللہ یثرب کا مہماں
اے جانِ رحمت! مبدارِ رحمت
الوذ سراپا تقصیر و عصیاں

سیرت
مولانا
سید محمد علی مونگیری
(بانی ندوۃ العلماء)
از
سید محمد الحسنی

ندوۃ العلماء کے تخیل اور نصب العین، اس کے کردار اس کی خدمات و خصوصیات اور
اس کے بانی و اولین رہنما کے سوانح حیات اور حالات و کمالات سے واقفیت کے لئے اس
اس کتاب کا مطالعہ بہت ضروری ہے

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی اپنے مفصل مقدمہ میں ایک جگہ لکھتے ہیں:
—"کتاب جامع بھی ہے موثر بھی، دل آویز بھی، وہ نہ صرف ایک عظیم و برگزیدہ شخصیت
کی سوانح ہے بلکہ ایک عظیم تحریک کی تاریخ بھی ایک معاشرہ کی تصویر بھی ہے اور ایک پورے
دور کی عکاسی بھی، ماضی کی سرگزشت بھی ہے اور مستقبل کا وہ خواب بھی جو خدا
کے ایک برگزیدہ و عالی ہمت بندہ نے دیکھا تھا!

سوا چار سو صفحات — معیاری کتابت و طباعت — مجلد مع گرد پوش

قیمت چھ روپے

مکتبۂ دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنو

(ایڈیٹر و پبلشر محمد الحسنی نے شاہی پریس میں چھپوا کر دفتر تعمیر حیات ندوۃ العلماء لکھنو سے شائع کیا)

تعمیر حیات لکھنؤ

پندرہ روزہ

چندہ سالانہ
سات روپئے
فی پرچہ ۳۰ پیسے

۶ ذی الحجہ ۱۳۸۴ھ مطابق ۱۰ اپریل ۱۹۶۵ء

ایڈیٹر سید محمد الحسنی
معاون سعید الاعظمی ندوی

شعبۂ
تعمیر و ترقی
دار العلوم ندوۃ العلماء
لکھنؤ

TAMEER-E-HAYAT
DARULULOOM NADWATULULAMA LUCKNOW (INDIA)

دار العلوم ندوۃ العلماء کا تیار کردہ نصاب

قصص النبیین للاطفال (۳ حصے)

از: مولانا ابو الحسن علی ندوی

اس کتاب میں ایک طرف زبان کی تعلیم کے جدید اصول اور ماہرین تعلیم و نفسیات کے تجربات کا اس طرح لحاظ رکھا گیا ہے کہ یہ کتاب عربی زبان کی تعلیم کا بہترین اور سہل ترین ذریعہ بن گئی ہے، دوسری طرف انبیاء علیہم السلام کے واقعات اور قصوں کو اس پیرایہ اسلوب میں پیش کیا گیا ہے کہ اسلام کے بنیادی اصول خود بخود طلباء کے ذہن نشین ہوتے چلے جاتے ہیں، اس سلسلہ کو ممالک عربیہ میں بڑی قدر کی نگاہوں سے دیکھا گیا ہے!

قیمت حصہ اول ۷۵/۰، حصہ دوم ۷۵/۰، حصہ سوم ۷۵/۱

القراءۃ الراشدۃ (۳ حصے)

از: مولانا ابو الحسن علی ندوی

اس کتاب میں اسلامی تاریخ، نامور اسلامی شخصیتوں، ہندوستان کی اسلامی تاریخ اور اسکی نامور شخصیتوں کے متعلق اسباق، اسلام اور ہندوستان کی تاریخ کا خلاصہ، مشہور دینی درسگاہوں کا تعارف، معلومات عامہ اور ضروری مضامین آ گئے ہیں، اسکی کوشش کی گئی ہے کہ کوئی سبق دینی روح سے خالی نہ ہو اور وہ کسی اچھے نتیجہ یا حقیقت کی طرف رہبری کرتا ہو، مدارس عربیہ کی بڑی تعداد نے اس کو داخل نصاب کیا ہے۔

قیمت حصہ اول ؏ حصہ دوم ؏ حصہ سوم ؏

منشورات

از: مولانا محمد رابع ندوی

اس کتاب میں مصنف نے ان پائدار ٹکڑوں کا انتخاب کیا ہے جو زبان کے محاسن، کلام کی بلاغت کیساتھ دینی و اخلاقی تربیت کا کام بھی دے سکتے ہیں اور اسلامی جذبات پیدا کرنے میں معاون ثابت ہو سکتے ہیں، سیرت نبوی، تاریخ اسلام اور مستند و صاحب طرز انشاء پردازوں کی نثر کے نمونے پیش کئے گئے ہیں جو عربی زبان و ادب کی بہترین نمائندگی کرتے ہیں، نثر قدیم کے ساتھ نثر جدید اور نظم قدیم بھی شامل ہے، مدارس عربیہ کی بڑی تعداد نے داخل نصاب کیا ہے۔

قیمت [illegible]

مختارات (۲ حصے)

از: مولانا ابو الحسن علی ندوی

یہ کتاب عربی کی متوسط اور اعلیٰ دونوں جماعتوں کے نصاب میں داخل کرنے کے لائق ہے اپنی خصوصیات کے لحاظ سے اس وقت تک ادب عربی کی کوئی کتاب اس کا بدل نہیں بلکہ یہ دوسری کتابوں کا نعم البدل ہے، مدارس عربیہ کی بڑی تعداد کے علاوہ لکھنؤ، علیگڈھ، کلکتہ، پنجاب اور مدراس یونیورسٹیوں اور بہت سے کالجوں میں داخل نصاب ہے، شام کے کالجوں میں بھی داخل نصاب ہے۔

قیمت حصہ اول [illegible] حصہ دوم [illegible]

Cover Printed at Nadwatul Ulama Press LUCKNOW